مریم عزیز

صحنِ عشق

ناولٹ

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو مقصود انکل کے کمرے سے زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ کچھ پریشان ہو کر نیہا کے قریب بیٹھ گئی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" نیہا نے اس کی شکل دیکھ کر پوچھا۔

"انکل غصہ کیوں کر رہے ہیں۔"

"یہ غصہ نہیں، معمول کی ڈانٹ ہے جو شرجیل کو پڑ رہی ہے۔" نیہا کہہ کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی جبکہ وہ اس کے مطمئن انداز پر حیران ہوئی اور پھر گہرا سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں جا رہی ہو۔" نیہا نے اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"اپنے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں" "آپ پئیں گی۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ اور ہاں فریج میں دیکھ لینا، کباب یا سموسے ہوں گے، وہ بھی فرائی کر لینا۔"

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ کچن میں آکر اس نے چائے کے لیے پانی چڑھایا پھر کباب تلنے کی تیاری کرنے لگی۔ ابھی اس نے کباب تلنے کے لیے تیل میں ڈالے ہی

تھے کہ شرجیل کچن میں داخل ہوا۔ "ہیلو کزن! کیا ہو رہا ہے۔"

وہ اپنے دھیان میں تھی' اس کے زور سے بولنے پر ہل کر رہ گئی۔ اس کے یوں ڈرنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اف توبہ! آپ نے تو مجھے ڈرا دیا۔"

شرجیل نے بغور اس کی اڑی رنگت دیکھی "کیا میں اتنا ڈراؤنا ہوں کہ ایک خوب صورت لڑکی مجھے دیکھ کر ڈر جائے۔"

"میں آپ کی شکل کی نہیں آپ کی اچانک انٹری کی بات کر رہی ہوں۔"

"تم یہ سب کیا کر رہی ہو۔" اسے چائے کے ساتھ کباب تلتے دیکھ کر وہ پوچھنے لگا۔

"چائے بنا رہی ہوں اور کباب فرائی کر رہی ہوں۔" اس نے سادہ سا جواب دیا۔

"تم مہمان ہو' تم کیوں کر رہی ہو' نیہا کہاں ہے۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی نیہا خود ہی آگئی۔

"رومیصہ ہمارے گھر مہمان ہے' تمہارا کام ہے اس کی مہمان نوازی کرو۔ الٹا تم اس سے کام کروا رہی ہو۔" شرجیل کے گھنے کی دیر تھی' نیہا کی زبان سے شرارے نکلنے لگے۔ "تمہیں کیا تکلیف ہے۔ میں کام کروں یا نہیں اور تمہیں کیوں اس کا اتنا درد ہو رہا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کام کر رہی ہے۔

ابھی ابو سے شکایت کردی تو دو منٹ میں گھر سے باہر نظر آؤ گے۔"

"تم صرف اپنی فکر کرو۔ سر پہ بیٹھی ہو ہمارے۔"

رومیصہ نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ اچھا بھلا ماحول خراب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

کھانا کھانے کے بعد رومیصہ نیہا کے ساتھ چھت پر آگئی نیہا کی سہیلی کا فون آگیا تو وہ نیچے چلی گئی۔ رومیصہ قدرے فاصلے پر دیوار کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور نیچے گلی میں دیکھنے لگی۔ تب ہی اس نے شرجیل کو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس نے رخ موڑے رکھا۔

"ہاؤ۔" وہ اس کے قریب آکر زور سے بولا تو وہ مڑ کر اطمینان سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم ڈری نہیں۔"

"میں نے آپ کو اوپر آتے دیکھ لیا تھا۔"

"اچھا۔" شرجیل نے مایوسی سے اسے دیکھا وہ سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ یونہی مصروف انداز میں بولی۔

"تو پھر کل سے مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی ہو۔ اب یہ مت کہنا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کے انکار کرنے کا موڈ دیکھ کر اس نے فوراً ٹوک دیا۔

"کل آپ نے جس طرح نیہا سے بات کی' مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"تم نے دیکھا نہیں' بدتمیزی اس نے شروع کی تھی۔"

"لیکن آپ کو یوں طنز نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان کی شادی نہیں ہو رہی تو اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ یہ تو قسمت کی بات ہے' جب اللہ کا حکم ہوگا' ہو جائے گی۔ آپ بھائی ہو کر ایسی باتیں کریں گے تو ظاہر سی بات ہے انہیں برا لگے گا۔" شرجیل کچھ نہیں بولا تھا۔

"آپ نیہا سے ایکسکیوز کرلیں۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ کر پیچھے ہو گئی' شرجیل نیہا کی طرف بڑھ گیا۔ رومیصہ نیچے آگئی۔

☆ ☆ ☆

یہ اس کی پھوپھو کا گھر تھا۔ مقصود انکل پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ اس کا کزن شرجیل ایم اے کر کے فارغ تھا' جس کی وجہ سے انکل سے اکثر اسے ڈانٹ پڑتی تھی اور نیہا اس کی کزن اٹھائیس سال کی تھی۔ شکل و صورت کی مناسب تھی۔ بی اے کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ پچھلے چھ سالوں سے اس کے رشتے کی تلاش جاری تھی لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا تھا۔ رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کافی چڑچڑی ہو گئی تھی۔ نیہا اس سے سات سال بڑی تھی لیکن رومیصہ کو اسے باجی کہنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کی امی اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ جبکہ ابو کی صرف ایک ہی بہن تھیں شازیہ پھوپھو' نیہا کے خشک رویے کے باوجود وہ اسی رشتے کی وجہ سے یہاں آجاتی تھی۔

ہوش سنبھالتے ہی اس نے خود کو پھوپھو اور ان کی فیملی کے بہت قریب پایا تو لازمی بات ہے انسیت تو ہو گی لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی یہ انسیت کچھ زیادہ بڑھ گئی' جب اس کا نام شرجیل کے ساتھ لیا جانے لگا۔ ان دونوں کی باقاعدہ منگنی تو نہیں ہوئی تھی لیکن بڑوں میں یہ بات طے تھی۔ ان دونوں نے بھی کبھی باقاعدہ ایک دوسرے سے پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن ایک دوسرے کے جذبات سے آگاہ ضرور تھے۔ رومیصہ کی امی کا بس چلتا تو ایف اے کے بعد ہی اسے شرجیل کے سنگ رخصت کر دیتیں لیکن ایک مسئلہ نیہا کا تھا۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہو گی' شرجیل کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور دوسرا مسئلہ شرجیل کی نوکری کا تھا' جب تک وہ برسرروزگار نہ ہو جاتا شادی ممکن نہ تھی۔ یہ سب مسئلے اپنی جگہ لیکن رومیصہ اپنے مستقبل کی طرف سے مطمئن تھی۔ جلد یا بدیر' دلہن تو اسے شرجیل کی ہی بننا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو خطاب فون پر بات کر رہے تھے۔ وہ ایک نظر ان پر ڈال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئیں' جب چینج کر کے واپس آئیں تو فون بند ہو چکا تھا اور خطاب صاحب سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئیں ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں اور لوشن اٹھا کر خطاب صاحب کے سامنے بیڈ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گئیں۔

"کیا بات ہے' بڑا مسکرایا جا رہا ہے۔ لگتا ہے کسی پرانی سہیلی کا فون تھا۔"

ان کی بات سن کر خطاب صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے "آپ جیلس ہو رہی ہیں بیگم صاحبہ۔" انہوں نے غور سے شمع کا چہرہ دیکھا۔ "ویسے اگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں کس سے بات کر رہا تھا' تم واقعی خوش ہو جاؤ گی۔"

"اچھا! ایسا کون ہے؟" وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"میں عمر سے بات کر رہا تھا۔" پاؤں پر مساج کرتا ان کا ہاتھ رک گیا تھا۔ "کل وہ پاکستان آرہا ہے۔"

لوشن کی بوتل پر ان کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہو گئی اور اگلے ہی پل بوتل نیچے کارپٹ پر گر گئی۔ ان کی آنکھوں کی حیرت پہلے بے یقینی اور پھر آنسوؤں میں بدل گئی۔ خطاب صاحب نے انہیں رونے سے روکا

نہیں۔ کافی دیر بعد خاموشی میں ان کی آواز ابھری۔
"خطاب! آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے۔"
"شمع!" انہوں نے کچھ ناراضی سے ان کا نام لیا۔
"میں ایسی بات مذاق میں کیوں کروں گا' جس کا تعلق تمہاری سانسوں سے جڑا ہے۔"
شمع سر جھکا کر ہونٹ چبانے لگیں۔ "مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔ وہ واقعی آ رہا ہے۔۔۔ بارہ سال بعد ۔۔۔ تو کیا اس کی نفرت ختم ہو گئی۔ اس نے ہمیں معاف کر دیا؟" وہ سوالیہ نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں تو خطاب صاحب نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دی۔
"شمع! کوئی اولاد اپنے ماں باپ سے نفرت کر سکتی ہے؟" اور شمع نے جس طرح شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا' وہ مسکرا دیے۔
"سب بھول جاؤ جو ہوا۔ اب ہمارا بیٹا آ رہا ہے۔ اس کے استقبال کی تیاریاں کرو۔"
"ہاں! مجھے اپنے بیٹے کے استقبال کے لیے اس کے شایان شان تیاریاں کرنا ہیں۔" وہ پرجوش انداز میں کہتی ہوئیں کھڑی ہو گئیں۔
"سرداراں! سرداراں!" ان کی تیز پکار پر وہ بھاگنے کے انداز میں کچن سے باہر آئی تھی۔
"خیریت بھابھی۔" وہ پریشانی سے ان کی شکل دیکھنے لگی۔
"سرداراں! عمر آ رہا ہے۔" انہوں نے سرداراں کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر گھما ڈالا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالیں۔ دوسری طرف سرداراں کی وہی حالت تھی' جو تھوڑی دیر پہلے ان کی تھی۔
"آپ سچ کہہ رہی ہیں بھابھی! بابا آ رہا ہے؟"
"ہاں سرداراں! وہ آ رہا ہے۔ کل وہ میری آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ بارہ سال بعد میری آنکھوں کی پیاس بجھے گی۔ اس کا بچپن' جوانی ۔۔۔ میں تصویروں میں ہی دیکھتی رہی۔" انہوں نے لاؤنج کی دیوار کی طرف دیکھا جو عمر کی تصویروں سے بھری تھی۔
"سرداراں! تمہیں یاد ہے نا' جب میں اور خطاب پہلی بار عمر کو لے کر آئے تھے۔" خاموشی پر انہوں نے مڑ کر دیکھا' پھر چلتی ہوئی اس کے سامنے آ گئیں اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
"میں بھی کتنی پاگل ہوں نا سرداراں! تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تمہیں عمر اور عمر سے وابستہ باتیں یاد ہیں ۔۔۔ تم کیسے بھول سکتی ہو' میں نے تو اسے صرف پیدا کیا تھا۔ تم نے تو اسے پالا تھا۔ تمہارے ہاتھ میں بڑا ہوا تھا' پھر پتا نہیں کہاں کمی رہ گئی میرے پیار میں یا تمہارے۔" کہتے ہوئے انہوں نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ ان کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔
سرداراں سے فرط مسرت کے باعث کچھ بولا ہی نہیں گیا' بس ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر ان کے کندھے پر رکھ دیا۔
ساری رات وہ سونے کی کوشش کرتی رہیں لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر جسم دکھنے لگا تھا۔ نظر جیسے گھڑی پر ٹھہری گئی تھی اور رات جیسے رک سی گئی تھی۔ پانچ بجتے ہی انہوں نے خطاب کو آواز دی اور وہ ایک ہی آواز پر اٹھ گئے۔ ان کے فوراً اٹھ جانے پر وہ مسکرا دیں۔
چھ بجے خطاب ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے اور وہ بے چینی سے سارے گھر میں چکرانے لگیں۔ ہر چیز تیار تھی' بس آنے والے کا انتظار تھا۔ اس کی تصویر کے آگے کھڑے ہو کر وہ اس کے ایک ایک نقش کو آنکھوں کے رستے دل میں اتارنے لگیں۔ تب ہی باہر خطاب کی گاڑی کا ہارن بجا اور ان کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ سرداراں بھی کچن سے نکل کر باہر کی طرف بھاگی۔ جبکہ وہ وہیں صوفے کے سہارے کھڑی تھیں۔ ان کی ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔ ان کی نظریں دروازے پر جیسے رک سی گئیں۔ پھر خوشی سے جگمگاتے چہرے کے ساتھ پہلے سرداراں پھر خطاب اور ان کے پہلو میں وہ ۔۔۔ ان کی نظریں جیسے ساکت ہو گئیں۔
"کتنا بڑا ہو گیا ہے۔" اس کا قد خطاب سے بھی اونچا تھا۔ "خوب صورت بھی ہو گیا ہے۔" سیاہ جیکٹ

میں اس کی رنگت کتنی نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔
"شمع! دیکھو میں تمہارے بیٹے کو لے آیا ہوں۔" خطاب ان کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے جبکہ وہ ان کے بالکل سامنے تھا۔ ان کے اتنے قریب کہ وہ اسے چھو سکتی تھیں۔ وہ اسے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم کر اپنی ممتا کی پیاس بجھانا چاہتی تھیں لیکن وہ ایسا کر نہیں سکیں۔
ان بارہ سالوں میں اس کے قد اور چہرے میں کافی فرق آ گیا تھا لیکن چہرے کی سختی اور آنکھوں کی بے گانگی اب بھی برقرار تھی۔ ہونٹوں پر آج بھی مسکراہٹ نہیں تھی۔ ان دونوں کو یوں خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے دیکھ کر خطاب صاحب بولے تھے۔
"بھئی شمع کچھ تو بولو۔" پھر بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے۔ "عمر! لگتا ہے تمہاری ماں کو ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم آ گئے ہو ورنہ جب سے میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم آ رہے ہو' پاگلوں کی طرح سارے گھر میں پھر رہی تھیں۔ تمہاری پسند کے کھانے بھی بنائے ہیں۔ کیوں بھئی سرداراں! ناشتے میں کیا ہے۔" وہ سرداراں کی طرف گھوم گئے۔
"سب کچھ ہے بھائی جی! جو ہمارے عمر بابا کو پسند ہے۔"
ان کے مخاطب کرنے پر عمر نے مڑ کر اسے دیکھا' جو کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ "بابا! مجھے بھوک نہیں' میں نے جہاز میں سینڈوچ لے لیے تھے۔"
شمع نے اس کی آواز کے رعب کو اچھی طرح محسوس کیا۔
"کوئی بات نہیں بیٹا! میں نے تمہارے لیے اتنا کچھ بنایا ہے۔ میری خاطر تھوڑا چکھ لو۔" سرداراں کے کہنے پر اس نے خطاب صاحب کو دیکھا تو وہ اس کا بازو تھام کر ڈائننگ روم کی طرف بڑھنے لگے پھر پیچھے مڑ کر ساکت کھڑی شمع کو دیکھا۔
"آؤ نا شمع!" انہوں نے چونک کر خطاب کو دیکھا جو عمر کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھیں یکایک آنسوؤں سے بھر گئیں۔ بیگانگی کی دیوار ابھی تک قائم تھی۔ وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو وہ بیٹھ چکا تھا اور سرداراں ایک ایک چیز اٹھا کر اس کے آگے رکھ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے جا کر خطاب کے دائیں طرف بیٹھ گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا وہ صرف ان ہی سے نہیں بلکہ کسی سے بھی بات نہیں کر رہا۔ خطاب بھی تھوڑی تھوڑی دیر میں خود ہی اسے مخاطب کر رہے تھے۔
کچھ دیر بعد وہ معذرت کر کے کھڑا ہو گیا۔ خطاب صاحب نے گہرا سانس لے کر شمع کو دیکھا جو سر جھکائے آنسو ضبط کرنے میں مصروف تھیں۔ خطاب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔
"آپ نے دیکھا خطاب! وہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ اس نے اب تک ہمیں معاف نہیں کیا۔"
"فضول باتیں سوچ کر دل چھوٹا نہ کرو۔ اتنے سال اکیلے رہ کر انسان ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ شکر کرو اس کے مزاج کی وہ شدت پسندی کم ہو گئی ہے اور جہاں تک معاف کرنے کی بات ہے' اس کا یہاں آنا' وہ بھی اپنی مرضی سے' اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمیں معاف کر چکا ہے۔ اس کے دل میں جو غلط فہمیاں ہیں اب اسے ہم نے اپنے پیار سے دور کرنا ہے اور اب اسے جانے نہیں دینا۔ تم سمجھ رہی ہو نا شمع۔"
خطاب صاحب نے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو دفعہ دستک کے بعد بھی جب دروازہ نہ کھلا تو انہوں نے دھیرے سے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلتے ہی اے سی کی خنک ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ کمرے میں ٹی وی کی روشنی پھیلی تھی جبکہ وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ وہ بیڈ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ اس کے پاؤں بیڈ سے نیچے لٹک رہے تھے۔ ایک بازو سینے کے نیچے اور دوسرا سر کے نیچے تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا

دیں۔ بچپن کی یہ عادت آج بھی برقرار تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں اور پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔ اس کی آنکھوں میں ذرا سی جنبش ہوئی اور پھر اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ سر گھماتے ہی اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ اس کے یوں اٹھنے پر وہ شرمندہ سی ہو گئیں۔ اس نے ذرا کی ذرا نظر گھما کر انہیں دیکھا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا۔"

"نہیں۔" وہ بہت دھیرے سے بولی تھیں۔ "میں تو صرف تمہیں دیکھنے آئی تھی۔ تمہارا دل لگ گیا ناں یہاں۔"

"دل وہاں لگایا جاتا ہے جہاں مستقل رہنا ہو' جب مجھے یہاں رہنا ہی نہیں تو دل لگانے کا فائدہ۔"

اس کے جواب پر شمع کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں اتر آئیں۔

"رہنا نہیں ہے۔" انہوں نے حیرت سے دہرایا "کیوں نہیں رہنا عمر! یہاں تمہارے ماں باپ ہیں۔ تمہارا گھر ہے۔ بزنس ہے جسے تم نے سنبھالنا ہے۔ وہاں کیا ہے جبکہ تم اپنی پڑھائی بھی کمپلیٹ کر چکے ہو۔"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا کر پورے کا پورا ان کی طرف گھوم گیا۔ "میرے خیال میں میرے لیے یہاں بھی کچھ نہیں ہے اور کون سے ماں باپ کی بات کر رہی ہیں آپ۔ وہ ماں باپ جنہوں نے تیرہ سال کی عمر میں مجھے سات سمندر پار پھینک دیا۔ اس وقت جب مجھے آپ کی بے حد ضرورت تھی۔"

"عمر میری جان!" وہ بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھیں اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "تمہیں خود سے دور کرنا ہمارے لیے آسان نہیں تھا۔ تم ہماری جان ہو۔ دل پر پتھر رکھ کر تمہیں خود سے دور کیا تھا۔ صرف تمہاری بھلائی کے لیے تمہارے ذہنی سکون کے لیے۔"

ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ اس نے جھٹکے سے ان کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے کیا۔ "مطلب کیا ہے آپ کا' آپ شروع سے ہی مجھے ایسے ٹریٹ کرتی تھیں جیسے میں پاگل ہوں اور آخر میں بیچ بچا ہی پاگل بنا دیا۔"

"عمر!" وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

"میں پچھلی باتیں نہیں دہرانا چاہتا۔ میں یہاں کیوں آیا' مجھے نہیں پتا' لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ آپ لوگوں کے لیے نہیں آیا اور نہ ہی میرا ارادہ یہاں سیٹ ہونے کا ہے۔ اب مجھے ان تمنائیوں کی عادت ہو گئی ہے۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں' تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ بھاگنے کے انداز میں اس کے پیچھے لپکیں لیکن وہ گاڑی لے کر نکل چکا تھا۔ ان کی انگلیاں تیزی سے خطاب کا موبائل نمبر ملانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

ڈائننگ روم میں وہ تینوں موجود تھے لیکن اتنی خاموشی تھی کہ صرف پلیٹوں میں کبھی کبھی چمچہ لگنے کی آواز آ رہی تھی۔ شمع کی توجہ کھانے کی طرف نہیں تھی۔ وہ مسلسل بے چینی سے خطاب کی طرف دیکھ رہی تھیں' جو کھانے کے دوران وقتاً فوقتاً عمر پر نظر ڈال رہے تھے۔ پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر گلا کھنکھار کر وہ عمر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"عمر!" ان کے پکارنے پر وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"دیکھو بیٹا! ابھی تمہیں پاکستان آئے کچھ دن ہوئے ہیں۔ تمہیں راستوں کا بھی علم نہیں اور دوسرے یہاں کے حالات بھی اچھے نہیں ہیں۔ لوگ گن پوائنٹ پر نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ باہر جاؤ تو ڈرائیور کو ساتھ لے جایا کرو۔" ان کے بولنے کے دوران وہ ہاتھ روکے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اسی طرح دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں ہر کام اکیلا کرنے کا عادی ہوں۔ میں امریکہ میں نہ روم شیئر کرتا تھا اور نہ ہی ڈرائیو کرتے ہوئے کوئی مجھے ساتھ پسند ہے اور دوسری بات یہ کہ میں بچہ نہیں ہوں کہ راستہ نہ ملا تو کھو جاؤں گا اور جہاں تک حالات کی بات ہے تو گن پوائنٹ پر کیا ہو گا' زیادہ سے زیادہ میرا والٹ یا گاڑی لے جائیں گے یا مجھے گولی مار دیں گے۔"

اس کے بے رحم تجزیے پر دونوں نے دہل کر اسے دیکھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولا شمع کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ دل تو خطاب صاحب کا بھی جیسے کسی نے مٹھی میں لیا تھا لیکن وہ کنٹرول کر گئے تھے۔

"تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہے عمر! شاید تمہیں خود سے پیار نہیں لیکن ہم دونوں کی دنیا تو تم سے شروع ہو کر تم پر ختم ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو جائے تو شاید وہ ہماری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

اب کی بار وہ کچھ نہیں بولا۔ بس دوبارہ چمچہ اٹھا لیا۔ شمع اور خطاب بھی خاموشی سے پلیٹ پر جھک گئے۔ اس کے موبائل کی بیپ بجی تو وہ ایکسکیوز کر کے اٹھ گیا۔ جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ کتاب کب سے آگے رکھے بیٹھی تھی لیکن پڑھنا محال تھا۔ نظر بار بار بھٹک کر کچن کی طرف جاتی جہاں نیہو موجود تھیں۔ برتن پٹخنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ تب ہی باہر پارکنگ رکنے کی آواز آئی اور وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ کون آیا ہے اور پہلی بار اس نے سوچا کاش! آج اور خاص طور پر اس وقت نہ آتا۔

اس نے دروازہ کھولا تو باہر مسکراتا ہوا شرجیل تھا۔ جبکہ اس کو مسکرانے میں بڑی دقت پیش آئی تھی۔ کچن سے نکلتی نیہو شرجیل کو دیکھ کر رک گئی تھیں۔

"السلام علیکم ممانی! کیسی ہیں آپ۔" شرجیل کے پوچھنے پر انہوں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا اور کمرے میں چلی گئیں جبکہ شرجیل حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ "ممانی کو کیا ہوا ہے۔"

"کچھ نہیں' ایسے ہی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اندر چلیں۔"

"نہیں یہیں ٹھیک ہے۔" وہ صحن میں رکھے تخت پر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ ہمارے تایا کے بیٹے کی شادی ہے۔ نیہا کو شاپنگ پر جانا ہے۔ اس نے کہا تمہیں لے آؤں۔"

رومیصہ نے مڑ کر کمرے کی طرف دیکھا جہاں اس کی امی موجود تھیں۔

"شرجیل! میں ضرور چلتی لیکن آج امی کا موڈ ٹھیک نہیں۔ مجھے نہیں لگتا امی مجھے جانے کی اجازت دیں گی۔"

"ممانی کیوں منع کریں گی۔ میں خود ان سے بات کرتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا۔ رومیصہ فوراً بولی۔

"آپ بات نہ کریں۔ امی کو آپ پر ہی غصہ ہے۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"آج میری کلاس فیلو آئی تھی۔ اپنے بھائی کا پروپوزل لے کر۔"

"واٹ؟" شرجیل کو جھٹکا لگا۔ "تم نے اسے بتایا نہیں تم انگیجڈ ہو۔"

رومیصہ نے سر جھکا لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی نیہو کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"شرجیل! مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔ دیکھو بیٹا! تمہاری اور رومیصہ کی بات طے ہے۔ یہ صرف ہم جانتے ہیں' لوگ نہیں۔ آج جس طرح رومیصہ کی کلاس فیلو اپنے بھائی کا پروپوزل لے کر آئی ہے کل کو کوئی اور بھی آ سکتا ہے۔ کب تک ہم اپنی بیٹی کو بٹھا کر رکھ سکتے ہیں۔ آج سے کتنے سال پہلے بھائی صاحب اور باجی نے رشتہ کی بات کی تھی۔ اس کے بعد سے مسلسل خاموشی ہے۔ کچھ دیر اور گزری تو ہمیں کچھ اور سوچنا ہو گا۔" نیہو نے دو ٹوک بات کی اور ان کا جو مطلب تھا' وہ شرجیل کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ رومیصہ نے شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا "یہ آپ نے اچھا نہیں کیا امی!"

"میں نے جو بھی کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے اگر اس کے بعد بھی شرجیل نے کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

اسے اکیلا آتا دیکھ کر نیہا کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"رومیعہ نہیں آئی؟" اس نے منہ سے جواب دینے کے بجائے سر نفی میں ہلایا۔
"کیوں؟" اس کے سوال پر شرجیل نے غصے سے اسے دیکھا۔
"میں تمہارا یا اس کا نوکر نہیں لگا ہوا جو تمہارا حکم ہو تو اسے لے آؤں اس کا حکم ہو تو واپس چلا جاؤں۔" اس کے غصیلے انداز کو نیہا نے ناسمجھی سے دیکھا جبکہ وہ غصے سے کھولتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو شازیہ فون پر کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ بات کرتے ہوئے شازیہ نے غور سے بیٹے کے بگڑے ہوئے زاویے دیکھے اور مختصر بات کر کے فون بند کر دیا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟"
"آپ اور ابو کل ہی ماموں کے گھر جائیں اور میری اور رومیعہ کی شادی کی بات کر کے آئیں۔"
"تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی ہے؟" "نہیں امی! اتنے سال ہو گئے ہیں اس بات کو ممانی سخت خفا ہیں۔ آپ کو پتا ہے رومیعہ کے رشتے آرہے ہیں۔"
پھر اس نے نیہو کے ناراض ہونے والی ساری بات بتا دی۔ شازیہ سوچ میں پڑ گئیں۔
"امی پلیز آپ ابو سے بات کریں۔ میں یہ نہیں کہتا میری شادی کر دیں ابھی لیکن میری اور رومیعہ کی باقاعدہ منگنی کر دیں تاکہ نہ انہیں کوئی ٹینشن ہو نہ مجھے پلیز امی!" اس کے ملتجی انداز پر وہ گہرا سانس لے کر بولیں۔
"ٹھیک ہے میں تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں۔"

"تھینک یو امی!" وہ ایک دم ان کے گلے لگ گیا۔

☼ ☼ ☼

ان کی بات کے ——— دوران وہ پورے انہماک کے ساتھ فائل پر نظریں دوڑاتے رہے۔ لیکن جوں ہی ان کی بات ختم ہوئی' انہوں نے عینک کے اوپر سے انہیں گھورا۔ جس کا صاف مطلب تھا' انہیں شازیہ کی بات پسند نہیں آئی۔
"کون سی ملٹی نیشنل کمپنی میں اسے جاب ملی ہے کتنی تنخواہ ہے اس کی۔" مقصود صاحب حسب توقع غصہ میں آگئے۔
"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم نے اور تمہارے بیٹے نے کیا سوچ کر یہ بات کی ہے۔ دس پندرہ لاکھ کما لیے ہیں اس نے؟ بہن کے فرض سے سبکدوش ہو گیا ہے؟ میں پرویز کے سامنے سوال کروں تو کس بنا پر۔ وہ پوچھے گا تمہارا بیٹا کرتا کیا ہے۔ کیا جواب دوں گا میں؟"

"آپ کی بات درست ہے مگر وہاں نیہو بہت پریشان ہے۔ رومیعہ کے رشتے آرہے ہیں۔ وہ کب تک ٹالتی رہے گی انہیں۔ میں صرف یہ چاہ رہی ہوں کہ شرجیل اور رومیعہ کی باقاعدہ منگنی کر دیتے ہیں۔ جلد یا بدیر اللہ نے چاہا تو شرجیل کو نوکری مل ہی جائے گی پھر نیہا کا مناسب رشتہ ملتے ہی ہم شرجیل اور نیہا کی اکٹھے شادی کر دیں گے۔" شازیہ کی بات پر مقصود صاحب چپ ہو گئے۔
اگلے جمعہ کو سادگی سے خاندان کے افراد جمع کر کے انہوں نے رومیعہ اور شرجیل کی منگنی کر دی۔ محلے میں مٹھائی بانٹی گئی تو سب کو ان کے رشتے کا علم ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں دو افراد بیٹھے تھے لیکن خاموشی ایسی تھی جیسے وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ وہ ہاتھ میں ریموٹ لیے چینل سرچ کر رہا تھا جبکہ وہ کبھی اسے اور کبھی اسکرین کو دیکھ رہی تھیں۔ تب ہی دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہونے والی ہستی کو دیکھ کر شمع

بے اختیار مسکرائی تھیں۔ جبکہ عمر اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہاں تک کہ وہ چلتی ہوئی لاؤنج کے درمیان عمر کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔
"ہائے برو! (Hi Bro) بڑے افسوس کی بات ہے پہچانا نہیں مجھے۔"
عمر ایک دم کھڑا ہوا تھا۔ شناسائی کا احساس اس کی آنکھوں میں چمکنے لگا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ شمع نے خوشگوار حیرت سے عمر کو دیکھا۔ جب سے وہ آیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار اس کو یوں مسکراتے دیکھا تھا۔
"شزا۔۔۔ یہ تم ہو' کتنی بڑی ہو گئی ہو۔" اس کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
پھر وہ شمع کی طرف مڑی۔ "کیسی ہیں آپ آنٹی!" وہ ان کے گلے لگی پوچھ رہی تھی۔
"میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ اچانک کیسے آگئیں۔"
"کل اماں کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ برو آیا ہوا ہے تو مجھ سے ایک پل بھی وہاں ٹکا نہیں گیا۔ جو پہلی بس ملی اس میں بیٹھ کر آگئی۔" کہنے کے ساتھ اس نے مسکراتی نظروں سے عمر کو دیکھا جو اسے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور شمع کو افسوس ہو رہا تھا کہ انہیں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا کہ وہ شزا کو بلوا لیں۔
"اماں!" سرداراں کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر ان کے گلے لگ گئی۔
"میری تم سے بات ہوئی تھی' تم نے بتایا نہیں کہ تم آرہی ہو۔"
"بتا دیتی تو سرپرائز تو نہ رہتا۔ اب یہ سب چھوڑیں اور مجھے کچھ کھانے کو دیں' سخت بھوک لگی ہے اور برو! امریکہ کے بنیز اداس تو نہیں ہوئے۔" وہ ایک بار پھر عمر کے سامنے تھی۔
کتنا اچھا لگتا ہے نا' جب گھر کے سب افراد اکٹھے ہوں اور پھر خوش بھی ہوں اور ان کے قہقہوں کے ساتھ گھر کے در و دیوار بھی مسکرائیں' جیسے اب شزا کے آنے سے انہیں محسوس ہو رہا تھا۔ شزا سے ان کا خون کا رشتہ نہیں تھا۔ وہ سرداراں کی بیٹی تھی اور

سرداراں خطاب کی دور پار کی رشتہ دار تھی۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد خطاب اسے یہاں لے آئے۔ ان کی شادی کو چھ برس گزر گئے تھے لیکن ان کی گود سونی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی۔ سات سال بعد ان کے گھر عمر پیدا ہوا۔ عمر کی پیدائش کے بعد وہ بیمار ہو گئیں۔ تب یہ سرداراں ہی تھی جس کی وجہ سے وہ عمر کی طرف سے بے فکر ہو گئی تھیں۔ عمر ایک سال کا تھا' جب انہوں نے سرداراں کی شادی کروا دی لیکن پتا نہیں اس کی قسمت میں کیا لکھا تھا۔ تین سال بعد وہ بیوگی کی چادر اوڑھ کر ایک سال کی بچی کے ساتھ پھر ان کے گھر آگئی لیکن سرداراں کے آنے سے انہیں عجیب سا سکون ملا تھا۔ کیونکہ عمر کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھیں۔ چار سال کی عمر میں اس کی طبیعت میں عجیب جارحانہ پن تھا۔ اسکول جاتے ہوئے اسے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا لیکن اس کی شکایتیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ آج فلاں بچے کو مارا۔ آج فلاں کی کتابیں پھاڑ دیں۔ گھر میں بھی اس کی یہی کیفیت تھی اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا' اس کا جارحانہ پن بڑھتا جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ اور خطاب ہر ممکن طریقے سے اس کی ہر بات پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاید یہی بات اس کی جارحانہ طبیعت کو مزید تقویت پہنچاتی تھی۔
عمر پانچویں کلاس میں تھا' جب انہوں نے سوچا اپنی فیملی کو بڑھایا جائے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار انہوں نے عمر سے کر دیا۔
"عمر! تمہیں بہن اچھی لگتی ہے یا بھائی؟" وہ جوس پی رہا تھا گلاس ٹیبل پر رکھ کر انہیں دیکھنے لگا۔
"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولیں۔
"کیونکہ میں اور تمہارے پاپا سوچ رہے ہیں کہ تم اکیلے ہو تمہارا کوئی بھائی یا بہن بھی ہونا چاہیے۔"
"مجھے کوئی بہن یا بھائی نہیں چاہیے۔" اس کے سنجیدہ اور دو ٹوک انداز پر ان کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی

"لیکن بیٹا! بہن بھائی کی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے۔ وہ آپ کے دوست' آپ کے ساتھی ہوتے ہیں نہ

"مجھے کسی دوست، کسی ساتھی کی ضرورت نہیں۔" وہ کہہ کر کھڑا ہو گیا جبکہ وہ کتنی دیر تک اس کے لہجے پر غور کرتے رہی تھیں۔ وہ دیوار پلٹا۔

"اور اگر میرا کوئی بھائی یا بہن آیا تو I will kill them (میں اسے جان سے مار دوں گا) اور شمع اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

خطاب صاحب نے بے یقینی سے اپنی بیوی کو دیکھا۔

"عمر نے ایسا کہا؟" انہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ دس سال کا بچہ اتنی بڑی بات کہہ سکتا ہے۔

شمع نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بس روئے جا رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئے۔

"تم روؤ نہیں شمع! عمر ابھی بچہ ہے اور تم جانتی ہو وہ دوسرے بچوں کی نسبت مختلف ہے۔ اس نے جذبات میں آ کر ایسی بات کہہ دی، جب اپنے بہن بھائی کو دیکھے گا تو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔" شمع نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"خطاب! جو چیز میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھی اور محسوس کی ہے ناں! وہ آپ نے نہیں دیکھی۔"

خطاب صاحب کچھ دیر انہیں دیکھتے رہے پھر کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کا رخ عمر کے کمرے کی طرف تھا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے وہ کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا۔ وہ اسکرین دیکھنے لگے تھوڑی دیر بعد انہوں نے جھرجھری لی۔ اتنا پرتشدد گیم تھا، وہ ہر چیز کو توڑتا جا رہا تھا۔

"عمر!" انہوں نے بے ساختہ اسے زور سے آواز دی۔ ریموٹ پر چلتی اس کی انگلیاں تھم گئی تھیں۔ اس نے گردن گھما کر انہیں دیکھا، تو وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"گیم کھیل رہا ہوں۔" وہ سی ڈی بدلتے ہوئے بولا۔

"بڑھائی کیسی جا رہی ہے۔"

"گڈ۔" وہ مختصر سا جواب دے کر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"عمر! آپ نے اپنی مما سے کہا آپ کو بھائی یا بہن نہیں چاہیے، کیا آپ اپنے پاپا سے شیئر کرو گے آپ نے ایسا کیوں کہا۔"

عمر نے ان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ خطاب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بولنے کا حوصلہ دیا۔

"چھوٹے بچوں سے سب پیار کرتے ہیں تو جب کوئی ننھا منا گڈ ہمارے گھر آئے گا تو آپ اور مما مجھ سے زیادہ اسے پیار کریں گے اور یہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" اس کی معصوم سوچ پر انہیں حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔

"نہیں عمر! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔" ان کے کہنے پر اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میرا فرینڈ تھا ہسوز، اس کی ممی بھی اس کی بہن لینے گئی تھیں۔ اس کی بہن تو آ گئی لیکن ممی نہیں آئیں۔ اس کے پاپا اس کی نئی ممی اور نئے بہن بھائی لے آئے۔ اس کے پاپا اس سے بالکل پیار نہیں کرتے تھے اور پھر ایک دن وہ بھی اپنی ممی کے پاس چلا گیا۔"

اس کی آواز بھاری ہوئی تو وہ خاموش ہو گیا جبکہ خطاب صاحب بالکل ساکت بیٹھے تھے۔ عمر کی حساس طبیعت کیا سوچ رہی تھی ان کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

"مجھے ایسے بہن بھائی نہیں چاہئیں جن کی وجہ سے میری مما مجھ سے دور ہو جائیں یا آپ مجھے پیار نہ کریں۔"

"عمر! ایسا نہیں ہو گا، انہوں نے اسے پچکارنا چاہا لیکن اس نے ان کے ہاتھ ہٹا دیے۔

"مجھے نہ کوئی دوست چاہیے اور نہ کوئی بہن بھائی۔ سنا آپ نے؟" وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ کتنی دیر دروازے کو دیکھتے رہے، پھر تھکے ہوئے

انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی شمع نے انہیں دیکھا۔ ان کا اترا ہوا چہرا انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔ وہ عمر کو سمجھانے گئے تھے لیکن اب انہیں سمجھا رہے تھے۔

"شمع! وہ بہت Sensitive (حساس) ہے۔ میں نے تمہیں اس کے دوست کے بارے میں بتایا تھا ناں! اس نے اس کے فادر کے بی ہیویر اور اس کی موت کا کافی اثر لیا ہے۔ ویسے بھی شمع ڈاکٹر نے تمہیں کسی بھی قسم کا رسک لینے سے منع کیا ہے۔ تمہاری جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ ہماری فیملی کمپلیٹ ہے۔ میں، تم، عمر ..... اور ہمیں کیا چاہیے۔"

انہوں نے ان کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور ایک بار پھر وہ خاموش ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

عمر اور شہزا ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ عمر کے ہاتھ میں سفید فر والا ببی (پلا) تھا۔

"ارے یہ کس کا ہے بھئی!" شمع نے مسکراتے ہوئے اس ببی کو دیکھا، جسے عمر گود میں لیے سہلا رہا تھا۔

"آنٹی! یہ ہمیں راستے سے ملا ہے۔" شہزا نے جواب دیا۔

"بیٹا! یوں کسی کی کوئی چیز نہیں اٹھا لیتے۔ وہاں آس پاس کسی سے پوچھنا تھا۔" شہزا نے اب جواب دینے کے بجائے عمر کو دیکھا، جو بڑے مگن انداز میں ببی سے کھیلنے میں مصروف تھا۔

"عمر! بیٹا! مما کچھ پوچھ رہی ہیں۔" خطاب صاحب کے کہنے پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"مجھے یہ بہت اچھا لگا ہے پاپا! میں اب اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ اگر کوئی لینے بھی آیا تو میں نہیں دوں گا۔ چلو شہزا!" شہزا کو اٹھنے کا کہہ کر وہ لان میں نکل گیا۔ ان دونوں کے باہر نکلتے ہی شمع نے ناراضی سے خطاب صاحب کو دیکھا۔

"خطاب! آپ نے عمر کو منع کیوں نہیں کیا۔ پتا نہیں کس کا ببی ہے۔ یہ گلیوں میں گھومنے والا کوئی پالتو نہیں۔ باہر سے منگوایا ہوا لگتا ہے۔ ظاہر ہے کسی کا ہو گا اور اب نہ ملنے پر وہ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"شمع! ایک تو تم بہت جلد چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہو۔ تم نے دیکھا نہیں، عمر اس کے ساتھ کتنا خوش لگ رہا ہے۔ اول تو کوئی نہیں آتا اگر کوئی آیا بھی تو ہم یہ ببی خرید لیں گے۔ اس ببی کی قیمت میرے بیٹے کی خوشی سے زیادہ تو نہیں ہو گی۔"

شمع انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔ عمر کی خوشی کے لیے پتا نہیں انہیں کیا کیا قربان کرنا ہو گا۔

وہ ایک پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ چوکیدار نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ خطاب صاحب کے پیچھے پیچھے وہ بھی لاؤنج میں آ گئیں۔ وہاں ایک معزز آدمی اور ایک بچہ جو عمر کا ہی ہم عمر لگ رہا تھا، بیٹھے تھے۔ خطاب صاحب اسے آدمی سے ہاتھ ملا کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"سوری! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" خطاب صاحب معذرت خواہ انداز میں سامنے بیٹھے شخص کو دیکھنے لگے۔

"جی! آپ مجھے نہیں جانتے، میرا نام صفدر بھٹی ہے۔ میں اس لین میں بنگلہ نمبر 08 میں رہتا ہوں۔ تین دن پہلے ہمارا ببی گم ہو گیا تھا۔ ہمارے چوکیدار نے بتایا کہ اس نے ہمارے ببی کو آپ کے بیٹے کے پاس دیکھا ہے۔ یہ میرا بیٹا عبید اللہ ہے۔ اسے جانور پالنے کا بہت شوق ہے۔ اس کی ضد پر ہم نے امریکہ سے وہ ببی امپورٹ کیا تھا۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"دیکھیں صفدر صاحب! بات ایسی ہے کہ آپ کا ببی واقعی بہت خوب صورت ہے۔ ہمارے بیٹے کو بھی وہ بہت پسند ہے، ہم وہ ببی آپ سے خریدنا چاہتے ہیں۔" سامنے بیٹھے بچے نے مضطرب انداز میں اپنے باپ کو دیکھا جبکہ باپ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"لیکن اسے بیچنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"ہم اس کی دوگنی قیمت دینے کو تیار ہیں۔"

"میں آپ سے ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میں اسے نہیں بیچوں گا۔ آپ خوامخواہ اصرار مت کریں۔ آپ ہمارا پپی واپس کردیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔" سادہ سے لفظوں میں کہتے ہوئے ان کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔ اس سے پہلے کہ خطاب کچھ بولتے شمع نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روک دیا۔ "میں اسے لاتی ہوں۔" شمع کہہ کر عمر کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے گہرا سانس لیا اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ عمر اور شہزا پپی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

وہ دقت سے مسکرائیں۔ "عمر! پاپا اس کے اونر آئے ہیں۔" عمر کی ہنسی سکڑ گئی تھی۔ پپی پر اس کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔ "وہ اسے لینے آئے ہیں۔" انہوں نے شہزا اور عمر کو دیکھا۔ ان کے کہنے پر عمر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "میں اسے نہیں دوں گا آپ انہیں منع کردیں۔"

"تمہارے پاپا کہہ رہے ہیں وہ تمہیں اس سے اچھا پپی لا کر دیں گے۔ تم اسے واپس کردو۔"

"آپ انہیں منع کردیں میں نہیں دوں گا۔" وہ ایک دم چیخ کر بولا۔ تب ہی خطاب صاحب اندر داخل ہوئے۔ شمع نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے عمر کی طرف دیکھا جو غصے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے پاس جا کر پیار سے سمجھاتے رہے۔ لیکن جب وہ ٹس سے مس نہ ہوا تو مجبوراً انہیں غصے سے پپی اس سے چھیننا پڑا۔ وہ تو پپی لے کر چلے گئے لیکن شہزا اور شمع کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ منٹوں میں اس نے کمرا الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ آخر میں اس نے خود کو باتھ روم میں بند کرلیا۔ وہ کتنی دیر تک دروازہ بجاتی رہیں یہاں تک کہ ان کی ہتھیلیاں سرخ ہوگئیں۔

اتوار کی وجہ سے وہ صبح دیر تک سوتے رہے۔ صبح دس بجے ہاتھ لے کر جب وہ باہر آئے تو انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔ عمر نہ صرف کمرے سے باہر تھا بلکہ خوشگوار موڈ میں شہزا اور شمع کے ساتھ ناشتا کررہا تھا۔

وہ حیران ہوتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔

"گڈ مارننگ پاپا!"

"وری گڈ مارننگ میری جان!" وہ بے حد خوش ہو کر بولے۔ "میں نے رضا سے بات کی ہے وہ دو تین دن میں آپ کے لیے بہت اچھا پپی لا دے گا؟"

"اٹس اوکے پاپا!" اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور گلاس میں بچے جوس کا بڑا سا گھونٹ لیا۔ "اوکے پاپا میں پلے گراؤنڈ جا رہا ہوں۔" وہ اپنا بیٹ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ خطاب صاحب نے مسکرا کر شمع کو دیکھا۔ تب ہی سرداراں اندر داخل ہوئی۔ جس کا چہرہ معمول سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ وہ ان کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

"میں مارکیٹ تک گئی تھی۔ راستے میں کوٹھی نمبر 08 کے آگے رش دیکھا تو رک گئی۔ پتا چلا کل ان کے پپی کا کسی نے گلا کاٹ کر مار دیا ہے۔"

"کیا انہوں نے دیکھا کس نے اسے مارا ہے۔" شمع نے جب پوچھا تو ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"وہ نہیں۔ لیکن" اس کی لیکن پر ان دونوں کی سانسیں رک گئی تھیں۔ "میں نے کل بابا کو رات کو باہر سے آتے دیکھا تھا۔ ان کے ہاتھوں اور کپڑوں پر خون لگا تھا۔" سرداراں کچھ دیر بت بنے دونوں میاں بیوی کو دیکھتی رہی پھر لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

"ایسا کب تک چلے گا خطاب! غصہ اپنی جگہ لیکن اتنی سفاکی...... ایک معصوم جانور کو مار دیا۔ کل کو وہ کسی انسان کو بھی مار سکتا ہے۔ اوہ میرے خدا۔" انہوں نے سر پکڑ لیا۔ جبکہ خطاب صاحب پرسوچ انداز میں ٹیبل کی سطح کو گھور رہے تھے۔

"میں کسی سائیکاٹرسٹ سے بات کرتا ہوں۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑے ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے عمر پر اور زیادہ توجہ دینا شروع کردی۔ عمر کے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری خطاب صاحب نے لے لی اور گھر میں شمع اور سرداراں ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتے۔ خطاب صاحب نے اسے پپی بھی منگوا دیا تھا۔ ایک سال آرام سے گزر گیا تھا۔ میٹرک اس نے اچھے گریڈ کے

ساتھ پاس کیا تو اس کی فرمائش پر خطاب صاحب نے اسے بائیک لے کر دے دی۔ اب جب وہ قدرے مطمئن ہونے لگے تھے تو حادثہ ہوگیا۔

وہ سرداراں کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ ابھی آدھے راستے میں تھیں، جب انہیں خطاب کا فون آیا۔ انہوں نے فوراً انہیں گھر آنے کو کہا تھا۔ ان کی پریشان آواز سن کر ان کا دل سکڑ گیا۔ انہیں لگا کچھ بہت برا ہوگیا ہے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ گھر داخل ہوئیں۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ان کی نظر خطاب اور عمر پر پڑی۔ انہیں صحیح سلامت دیکھ کر انہوں نے گہرا سانس لیا۔ لیکن یہ اطمینان عارضی تھا عمر کی حالت قابل اطمینان نہیں تھی۔ اس کی شرٹ کے بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ شرٹ کے دامن پر خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ بال بکھرے تھے۔ جبکہ چہرے پر بھی جا بجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ بے اختیار عمر کی طرف بڑھیں۔

"عمر میری جان یہ کیا ہوا۔" اس کے زخم چھوتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے۔

"مت بہاؤ آنسو اس کے لیے۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس سے ہمدردی کی جائے۔ درندگی اور سفاکی کی کوئی حد ہوتی ہے۔ تمہیں پتا ہے اس نے آج کیا کیا ہے؟" خطاب صاحب نے غصے سے بولتے ہوئے سپاٹ چہرہ لیے عمر کو دیکھا۔ جبکہ شمع پریشانی سے کبھی عمر اور کبھی غضبناک تیور لیے خطاب کو دیکھ رہی تھیں۔

"آج اس نے اپنی گاڑی سے ایک لڑکے کو ٹکر مار دی اور بجائے اس کے کہ اپنی غلطی پر معذرت کرتا الٹا اس لڑکے سے ہاتھا پائی کرنے لگا۔ لوگ اسے مارتے ہوئے تھانے لے گئے تھے۔ وہاں سے لے کر آ رہا ہوں صاحبزادے کو۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے لیکن اس کے پاگل پن کی مجھے کوئی حد نظر نہیں آتی۔ ایک عمر لگتی ہے عزت کے ساتھ نام بنانے میں اور یہ کبھی چوری کرکے کبھی مارپیٹ کرکے میری عزت کو خاک میں ملانے پر تلا ہے۔"

عمر نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں انہیں کوئی شرمندگی نظر نہیں آئی جس نے ان کا غصہ اور بھڑکا دیا۔

"بے شرمی دیکھو اس کی، کوئی ملال کوئی پچھتاوا نہیں۔ مجھے گھور رہا ہے۔ کیا کچھ نہیں کیا اس کے لیے۔"

"کوئی احسان نہیں کیا آپ نے مجھ پر۔" وہ ایک دم کھڑا ہو کر بدتمیزی سے بولا۔ خطاب صاحب ایک پل کے لیے اسے دیکھ کر رہ گئے، دوسرے ہی پل ان کا ہاتھ گھوما تھا اور اس کے گال پر اپنا نشان چھوڑ گیا۔ شمع نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا جبکہ عمر نے بڑی بے یقینی سے باپ کو دیکھا۔ بہت زور دینے پر بھی اسے یاد نہیں آیا کہ کبھی اس کے ماں باپ نے اس کو انگلی سے بھی چھوا ہو۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" خطاب صاحب نے اسے کمرے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ "کرتا ہوں تمہارا کوئی علاج۔"

ان کی دھمکی پر عمر نے ہونٹ بھینچ کر انہیں دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی خطاب صاحب نڈھال انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں میں اپنا سر گرا لیا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا شمع! جو ایک معصوم جانور کو یوں بے دردی سے مار سکتا ہے، وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ میں اس لڑکے کو ہسپتال میں دیکھ کر آرہا ہوں۔ اتنی بے دردی سے مارا ہے عمر نے اسے، خدانخواستہ اگر وہ مرجاتا تو جانتی ہو کیا ہوتا۔ پھانسی ہوجاتی اسے۔" شمع کا سارا وجود بے جان ہوگیا تھا۔

"پچاس ہزار اس لڑکے کے گھر والوں کو دے کر آیا ہوں اور پچاس ہزار پولیس کو۔ ابھی تو معاملہ رفع دفع ہوگیا، لیکن اب مزید میں کسی جلوے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔" وہ موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگے۔

جس ماہر نفسیات کے پاس عمر کا علاج چل رہا تھا۔ اس نے خطاب کو مشورہ دیا تھا کہ کچھ عرصے کے لیے عمر کو خود سے دور بھیج دیں۔ پہلے تو خطاب صاحب نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ لیکن پپی کی موت اور پھر

اس لڑکے پر جان لیوا حملے نے انھیں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ امریکہ میں ان کے ایک بے اولاد دوست تھے خطاب صاحب نے انھیں اپنی مجبوری سنائی تو انھوں نے خوشی خوشی عمر کی ذمہ داری قبول کر لی۔ جبکہ عمر کے جانے کا سن کر شمع ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ جس اولاد کی خاطر انھوں نے دوبارہ اپنی گود ہری نہیں ہونے دی۔ اسے خود سے دور کرنا انھیں گوارا نہیں تھا۔ لیکن خطاب صاحب نے انھیں ماضی میں عمر کی غلطیوں اور مستقبل میں اس کا انجام سمجھا کر راضی کر ہی لیا تھا۔

کل عمر کی فلائٹ تھی اور شمع کو یوں لگ رہا تھا جیسے کل عمر نہیں ان کی روح ان سے جدا ہو رہی ہو۔ وہ آنکھیں بند کیے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے عمر کے بارے میں سوچ رہی تھیں' جب دروازہ کھلنے کی آواز پر انھوں نے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ عمر دروازے کا ہینڈل تھامے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ ان کے قریب بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مما میں آپ سے ہر اس بات کے لیے معافی مانگتا ہوں جس سے آپ کو اور پاپا کو تکلیف ہوئی ہے۔ آپ پاپا سے کہیں مجھے کہیں مت بھیجیں۔ میں آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے آپ لوگوں کو پرابلم ہو۔ میں آپ کے اور پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا مما پلیز!" آخر میں روتے ہوئے اس نے پیشانی ان کے ہاتھوں پر ٹکا دی۔ اس کے آنسو ان کے ہاتھوں پر گر رہے تھے اور قطرہ قطرہ ان کا دل پگھل رہا تھا۔ اس وقت ان کا دل چاہ رہا تھا وہ خطاب کی نصیحتیں' ڈاکٹر کی ہدایتیں سب بھول کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیں۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ان کی ذرا سی کمزوری عمر کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ تب ہی دروازہ کھلا۔ ان دونوں نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا۔

"پاپا! میں نہیں جاؤں گا۔" انھیں دیکھ کر وہ اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں بولا تھا۔ خطاب صاحب نے غصے سے اسے دیکھا۔

"یہ بحث اب فضول ہے تمہاری کل سیٹ کنفرم ہے اور وہاں تمہارا داخلہ بھی ہو چکا ہے۔ میں دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں جاتے۔ ابھی تک تم نے میری صرف نرمی دیکھی ہے سختی نہیں۔" ان کے آخری جملے پر عمر نے شاکی نظروں سے شمع کو دیکھا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

اور پھر وہ چلا گیا۔ جانے سے پہلے وہ کسی سے مل کر نہیں گیا۔ ان کی شکایت پر خطاب نے کہا کہ "وقتی غصہ ہے کچھ سال دور رہے گا۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا اور پھر کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہا ہے۔ آتا جاتا رہے گا۔" لیکن وہ ان دونوں کی خام خیالی تھی۔ اس کا غصہ شاید بدگمانی اور پھر نفرت میں بدل گیا۔ بارہ سال گزر گئے وہ کبھی پاکستان نہیں آیا۔ شروع کے چند سالوں کے بعد وہ امریکہ۔ اس سے ملنے گئے تو انھیں دیکھ وہ دوسری اسٹیٹ چلا گیا اور جب تک وہ وہاں رہے' وہ واپس نہیں آیا۔ وہ جب بھی اس سے ملنے کا ارادہ کرتے' وہ کسی دوسرے شہر یا ملک کا رخ کر لیتا۔

شمع اس کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکی تھیں کہ اچانک وہ آ گیا۔ وہ سمجھیں ان کی ممتا اور ان کی دعائیں اسے کھینچ لائی ہیں۔ وہ بدل گیا ہے۔ لیکن وہ تو آج بھی ان سے ناراض تھا۔

"آنٹی!" شہزا کی آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"برو کے لیے چاند جیسی دلہن ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ برو شادی کے لیے مان گئے ہیں۔"

وہ دونوں اس موضوع پر بات کر رہے تھے مگر شمع ماضی کی تلخ یادوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ شہزا کی بات سن کر مسکرانے لگیں۔

"مجھے شادی کرنی ہے یا نہیں یا کس سے کرنی ہے' اس کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ اس کا حق میں کسی کو نہیں دوں گا چاہے وہ رشتے میں میرے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ جب میں خود اس قابل ہوں کہ اپنے فیصلے کر سکوں تو میں کیوں کسی کی رائے لوں۔" شمع کا

چہرہ آن واحد میں لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

ان پر ایک نظر ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔ شہزا تاسف سے شمع کو دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"یار تم مجھے کہاں لے آئی ہو۔ تمہیں معلوم بھی ہے کہ مجھے پبلک پلیس سے سخت الجھن ہوتی ہے۔" ہجوم کو دیکھ کر اس نے شہزا سے کہا۔

"اگر آپ امریکہ سے میرے لیے کچھ لے آتے تو میں کیوں آپ کو یہاں لاتی اب جلدی سے جیب ڈھیلی کریں مجھے بہت ساری شاپنگ کرنا ہے۔"

عمر نے بحث نہیں کی اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ شہزا ایک جیولری کی دکان میں گھس گئی۔ پندرہ منٹ تک جب شہزا کی مصروفیت میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ اسے بتا کر باہر نکل آیا۔

باہر موسم بہت اچھا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ ستون کے قریب کھڑے ہو کر وہ آتے جاتے لوگوں کا جائزہ لینے لگا پھر کچھ خیال آنے پر اپنا موبائل نکالا اور ٹریول ایجنٹ کا نمبر ملانے لگا' جب ایک رنگین آنچل آ کر اس کے چہرے پر رک گیا۔

☼ ☼ ☼

چل چل کر اس کے پاؤں شل ہو گئے تھے لیکن نیہا کو پتا نہیں کیا اور لینا تھا۔ وہ نیہا کو یہ کہہ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ تھک گئی ہے کہ کہیں اس کا موڈ نہ خراب ہو جائے۔ کیونکہ شرجیل سے باقاعدہ منگنی کے بعد وہ اس سے خفا خفا سی تھی۔

"نیہا! جو کچھ لینا ہے جلدی لو ورنہ گھر چلو' فضول چکر لگوا رہی ہو۔" جو بات رومیصہ نے کہنا تھی وہ شرجیل نے کہہ دی تھی۔

"تم تھک گئے ہو تو کہیں بیٹھ جاؤ — میں رومیصہ کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔"

رومیصہ نے ایک بے بس نظر شرجیل پر ڈالی اور چار و ناچار نیہا کے ساتھ چل پڑی۔ نیہا ایک اسٹال کے پاس رک گئی' جہاں بے حد رش تھا۔ وہ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی اور دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔ نیہا وہاں سے فارغ ہوئی تو اس نے اس کے پیچھے جانے کے لیے قدم بڑھائے لیکن ایک قدم بڑھاتے ہی اسے رکنا پڑا۔ اس کا دوپٹہ کہیں اٹک گیا تھا۔ اس نے ذرا سا گردن گھما کر دیکھا اور پھر حیرت کے مارے پوری گھوم گئی۔ اس کے دوپٹے کا کونا ستون کے پاس کھڑے شخص کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے مڑنے پر اس نے بھی اسے دیکھا۔ رومیصہ نے اس شخص کی نظروں کو اپنے چہرے پر ٹھہرتے محسوس کیا تھا۔ ان نظروں میں جانے کیا تھا کہ اسے اپنا چہرہ دہکتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اپنا دوپٹہ کھینچا' اس کے باوجود نہ اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور نہ ہی اس کا دوپٹہ چھوڑا۔ رومیصہ نے گھبرا کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ لوگ اپنے دھیان میں تھے لیکن کچھ لوگ ان کی طرف متوجہ بھی ہو گئے تھے۔ رومیصہ یکدم پریشان سی ہو گئی۔ اتنے ہجوم میں بھی اسے اس شخص سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ دو قدم چل کر اس کی طرف بڑھی۔

"میرا دوپٹہ۔" رومیصہ نے بہت آہستگی سے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اس نے دوپٹہ چھوڑ دیا اور وہ ایسے بھاگی جیسے موت کا فرشتہ اس کے پیچھے لگا ہو۔

"نیہا! میرا خیال ہے گھر چلتے ہیں۔ باقی شاپنگ کل کر لیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی بس یہ چوڑیاں لے لیں۔" یہ کہہ کر نیہا پھر چوڑیوں کے اسٹال کی طرف مڑ گئی۔ رومیصہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ کہیں نہیں تھا وہ ہر سیکنڈ کے بعد ارد گرد نظر بھی ڈال رہی تھی۔ وہ شخص نہ جانے کیوں اس کے حواسوں پر سوار ہو گیا تھا۔

"تم بھی لے لو۔" نیہا کے کہنے پر اس نے پہلے چونک کر نیہا کو اور پھر چوڑیوں کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر سارا دھیان چوڑیوں پر لگا دیا۔ ملٹی شیڈ میں بہت خوب صورت چوڑیاں تھیں۔ اس نے کچھ چوڑیاں اٹھا کر پہن لیں۔ اس کی نازک کلائیوں میں وہ بہت

اچھی لگ رہی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے جونہی چوڑیوں والے سے قیمت پوچھنے کے لیے سر اٹھایا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی بلکہ ہاتھ میں پکڑی چوڑیاں بھی گر گئیں۔ وہ شخص بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا۔" اس کو یوں ساکت کھڑے دیکھ کر نبیہا نے پوچھا تھا۔ "تمہاری طبیعت زیادہ خراب لگ رہی ہے۔ چلو گھر چلتے ہیں۔" نبیہا کے کہتے ہی وہ تیزی سے مڑ گئی۔

"برو!" وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، جب شہزا کی آواز پر رک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔

"کہاں جا رہے ہیں میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔" اس کے قریب پہنچنے پر وہ ہانپتے ہوئے بولی۔ عمر نے مڑ کر اس طرف دیکھا، وہ نہیں تھی۔ وہ بے چینی سے اجنبی چہروں میں تلاش کرنے لگا۔

"کیا ہوا، کس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے شہزا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں چلو۔" وہ چل پڑا لیکن چند قدم چل کر اس نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنی زندگی میں اسے کئی چہرے اچھے لگے تھے، لیکن یوں کسی چہرے نے بے چین نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں وہ کون تھی، کہاں رہتی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اپنے محسوسات وہ کسی سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔ شہزا کا خیال آتے ہی اس نے گھڑی کی طرف دیکھا، جہاں رات کے ایک بج رہے تھے۔ اس بتانے کا ارادہ صبح تک ملتوی کر کے وہ کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ سارا لان اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ کہیں کہیں بلب کی روشنی تھی۔ "مجھے اسے ڈھونڈنا ہو گا۔"

اس نے کھڑکی کے پٹ پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے ہوئے تھے۔

"مجھے اسے حاصل کرنا ہے، ہر صورت۔"

بہت سالوں بعد پھر پہلا سا جنون اس کے اندر آ گیا تھا۔

اگلی ہی صبح وہ موجود تھی۔

"اتنے دنوں سے آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا ہوا ہے، صبح نکل جاتے ہیں رات کو دیر سے آتے ہیں۔"

"میں ایک لڑکی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ ذرا وضاحت کریں گے، یہ لڑکی کون ہے۔"

"اس دن ہم مارکیٹ گئے تھے نا، وہاں نظر آئی تھی۔ پھر وہ لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گئی۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔"

اس کے پرعزم انداز پر شہزا نے ابرو اچکا کر دیکھا۔ معاملہ کافی سیریس لگتا ہے۔

"کیا وہ بہت خوب صورت ہے۔"

"ہاں! کم از کم مجھے تو وہ دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی لگی تھی۔" وہ سامنے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جیسے وہاں اس کی تصویر لگی ہو۔

"اس لیے آپ نے اپنی سیٹ کینسل کروائی ہے۔" عمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹریول ایجنسی سے فون آیا تھا۔" شہزا نے اس کی حیرت دور کی۔ "آپ تو کہہ رہے تھے مجھے کسی پاکستانی لڑکی سے شادی نہیں کرنا۔"

شہزا نے طنزیہ انداز میں اسے پچھلی بات کا حوالہ دیا۔ عمر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹاول اٹھا کر باتھ روم میں چلا گیا۔

"میں انکل آنٹی کو بتاؤں؟" جب وہ باہر آیا تو شہزا نے پوچھا عمر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ ان سے ڈسکس کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا۔"

"برو! وہ آپ کے مما پاپا ہیں۔ آپ سے پیار کرتے ہیں۔ آپ کی شادی ان کی کتنی بڑی خواہش ہے۔"

"پلیز شہزا! اس ٹاپک کو رہنے دو۔ میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ پتا نہیں وہ کب ملے گی اور کتنا انتظار کرنا ہو گا۔" اس نے سختی سے شہزا کی بات کاٹ دی۔

☼ ☼ ☼

"عمر!" وہ آنکھیں بند کیے اسی کے تصور میں گم تھا کہ شمع کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہ کہیں جانے کے لیے تیار لگ رہی تھیں۔

"تمہارے پاپا کے فرینڈ کے بیٹے کی شادی ہے۔ میں اور خطاب چاہ رہے تھے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

"آپ جانتی ہیں مجھے فنکشن اور خاص طور پر شادی کے فنکشن بالکل پسند نہیں۔" اس کے روکھے لہجے پر ایک پل کے لیے وہ چپ ہو گئیں۔

"ہاں جانتی ہوں لیکن تم اتنے عرصے بعد آئے ہو تو سب تم سے ملنا چاہ رہے تھے۔ اسی بہانے ملاقات ہو جائے گی تمہاری سب سے۔"

انہوں نے ذرا ٹھہر کر پھر کہا۔ "اگر تم چلو گے تو مجھے اچھا لگے گا۔" عمر نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا وہ بڑی آس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جانا تو نہیں چاہتا تھا لیکن پتا نہیں کیسے وہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" شمع کتنی دیر حیرت سے وہاں کھڑی رہیں۔

کتنے سالوں بعد وہ پاکستانی شادی کی تقریب، خاص طور پر مہندی کی تقریب میں شرکت کر رہا تھا۔ ہر طرف مہکتے رنگین آنچل تھے۔ فضا میں موسیقی کا شور تھا۔ خطاب صاحب اور شمع نے اسے ساتھ اندر آنے کو کہا تھا لیکن وہ شامیانے سے باہر آ گیا۔ باہر نکل کر وہ بلا سوچے سمجھے ایک طرف چلنے لگا۔ سامنے اسے رہائشی عمارت نظر آئی۔ وہ اپنی دھن میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ لمبا کاریڈور تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ بلا اجازت اندر آ گیا ہے۔ وہ پلٹنے ہی والا تھا جب چوڑیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ غیر ارادی طور پر مڑا اور مڑتے ہی جیسے ساکت ہو گیا۔ وہ خیال بالکل حقیقت کے روپ میں اس کے سامنے تھا۔ اورنج اور پیلے رنگ کے فراک پاجامے کے ساتھ ڈھیروں ہم رنگ چوڑیاں پہنے وہ آئینے کے سامنے کھڑی چوٹی بنا رہی تھی۔ عمر کی طرف اس کی پشت تھی۔

وہ بے خود سا ہو کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ پراندہ کو گرہ لگا کر جوں ہی اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ سامنے نظر آتا عکس اسے ساکت کر گیا۔ وہ اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی حیرت ایک دم ڈر میں بدل گئی وہ تیزی سے پلٹی۔ وہ اس سے ذرا ہی فاصلے پر تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے واضح اثرات تھے۔ دل کا ڈر اس کے چہرے سے بھی جھلکنے لگا۔ جبکہ اس کے برعکس عمر کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

"ہائے آئی ایم عمر، عمر خطاب۔" اپنا تعارف کروانے کے ساتھ اس نے ہاتھ بھی بڑھا دیا۔

"ہم پہلے بھی مل چکے ہیں مارکیٹ میں۔ شاید تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ اس دن بھی تم غائب ہو گئیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ کہتے ہوئے ایک قدم مزید آگے بڑھا تو وہ سہم چونک کر پیچھے ہٹی تو دیوار سے ٹکرا گئی پھر باہر نکلنے کے لیے آگے بڑھی تھی لیکن وہ ایک دم سامنے آ گیا وہ ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ اس بدتمیزی پر اس کا دل چاہا کہ ایک تھپڑ لگا دے لیکن ایک تو وہ کبھی بھی اتنی بہادر نہیں رہی دوسرا اس طرح کی صورت حال سے کبھی اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا، سو وہ کچھ نہ کہہ پائی۔

"میں نے تمہارا نام پوچھا ہے۔" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے نام پوچھے بغیر اسے جانے نہیں دے گا۔ بدقسمتی سے وہ بالکل اکیلی تھی۔ اس کے کپڑوں پر مہندی لگ گئی تھی، وہ اسے صاف کرنے آئی تھی اور یہ شخص پتا نہیں کہاں سے آ گیا تھا اور کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر دوبارہ اسے دیکھا جو دیوار کی مانند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ایک بار پھر ہمتیں مجتمع کر کے آگے بڑھی تھی لیکن دوسرے ہی قدم پر اسے لگا گویا زمین نے اسے جکڑ لیا ہو۔ عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی اتنی جرات پر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اسے اپنی بے بسی پر یکدم رونا سا آ گیا۔ عمر نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ایسے وہاں سے بھاگی جیسے اگر تھوڑی

دیر مزید وہاں کھڑی رہی تو قیامت آجائے گی۔ عمر کتنی دیر اس راستے کو دیکھتا رہا' جہاں سے وہ گئی تھی' پھر ایک دم شامیانے کی طرف بھاگا۔

اندر رونقیں عروج پر تھیں۔ وہ متلاشی نظروں سے ایک ایک چہرے کو دیکھنے لگا اور پھر وہ اسے نظر آ گئی۔ وہ کسی لڑکے کے ساتھ حواس باختہ کھڑی تھی۔ اس کے قریب کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ ان کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ خطاب صاحب کی پکار پر رک گیا۔

"عمر! ادھر آؤ میں تمہیں اپنے دوستوں سے ملواؤں۔"

اس نے دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھا وہ ایک بار پھر غائب ہو چکی تھی جبکہ وہ لڑکا وہیں موجود تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"پاپا! آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں۔"

خطاب صاحب نے کچھ حیران ہو کر سامنے دیکھا۔ کچھ دیر تک دیکھنے کے بعد انہوں نے اسے پہچان لیا۔

"ہاں' یہ ہماری کمپنی کے لیگل ایڈوائزر مقصود صاحب کا بیٹا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"پاپا! میں تھک گیا ہوں گھر جانا چاہتا ہوں۔" کافی دیر تک وہ اسے دوبارہ نظر نہ آئی تو اس نے خطاب صاحب سے کہا۔

اب اس کے ہاں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں رہا تھا۔

"پاپا! میں مقصود صاحب کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے گھر جائیں میرا رشتہ لے کر۔"

خطاب صاحب حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"لیکن بیٹا کیا آپ ان لوگوں کو جانتے ہیں۔"

"جانتا تو نہیں ہوں لیکن مجھے شادی اسی لڑکی سے کرنا ہے۔" اس سے پہلے خطاب کچھ کہتے شمع بول پڑیں۔

"ٹھیک ہے' ہم کل ہی ان کی طرف چلے جائیں گے۔" عمر نے بے ساختہ شمع کی طرف دیکھا اور مزید کوئی بات کیے بغیر اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی شمع خطاب صاحب کی طرف مڑیں۔

"خطاب! ہم بات پکی ہوتے ہی شادی بھی جلد کر دیں گے۔"

"ارے بابا آرام سے' پہلے لڑکی تو دیکھ لو۔" خطاب صاحب ان کے جذباتی پن پر ہنس پڑے۔

"وہ جیسی بھی ہوگی' مجھے پسند ہوگی۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ عمر شادی کے بعد یہیں رہنے لگے گا۔ ہمیں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔" خطاب صاحب شمع کی کیفیت سمجھ سکتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کیا کہا انہوں نے پاپا!" عمر نے بے تابی سے پوچھا۔

"اگلے جمعہ کو منگنی کا کہہ دیا ہے۔" خطاب صاحب نے بتا دیا۔

"تو کیا وہ مان گئے؟" عمر حیران ہوا۔

"کیسے نہیں مانتے' میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔ کوئی انکار کر سکتا ہے بھلا۔" اب کے شمع نے جواب دیا۔ عمر مسکرا دیا۔

"آپ کو اچھی لگی ماما!" عمر نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! اچھی ہے۔" شمع نے سادہ انداز میں جواب دیا۔

"نام کیا ہے اس کا؟" عمر کا اگلا سوال تھا۔ شمع نے الجھ کر خطاب صاحب کو دیکھا کہ عمر نے لڑکی پسند کر لی مگر نام معلوم نہیں ہے۔ "نیہا۔"

"نیہا۔" اس نے ہلکے سے دہرایا' پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ کر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شمع اور خطاب دیر تک یہی سوچتے رہے کہ اس عام سی لڑکی میں عمر کو کیا نظر آیا جبکہ وہ عمر میں بھی اس سے بڑی لگ رہی تھی۔ ان کے لیے بس اتنا کافی تھا کہ عمر اب امریکہ واپس نہیں جائے گا اور پھر اس کے مزاج کی تلخیاں بھی کم ہونے لگی

تھیں۔

☼ ☼ ☼

ڈرائنگ روم میں سب کے درمیان عمر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ شمع اور خطاب اپنے بیٹے کو خوش دیکھ کر مسرور تھے اور مقصود صاحب اپنی بیٹی کے لیے اتنا اچھا رشتہ ملنے پر۔ عمر کی تو خیر پسند تھی مگر خطاب صاحب نے بھی اسٹیٹس کا فرق نہیں دیکھا نہ دونوں کی عمروں کا اور نہ ہی ہونے والی بہو کی عام صورت کی پروا کی۔ انہیں صرف اپنے بیٹے کی خوشی درکار تھی۔

سب ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے' جب شازیہ نے شرجیل کو آواز دی۔

"شرجیل! رومیعہ سے کہو' کولڈ ڈرنک لے آئے۔"

تھوڑی دیر بعد رومیعہ خود ہی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر آئی۔ اس کے سلام کرنے پر سب کی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

گلاس تھام کر اس نے بڑے اشتیاق سے نیہا کے ہونے والے منگیتر کو دیکھا لیکن اسے دیکھتے ہی دم بخود رہ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر گر کر کرچیوں میں تبدیل ہو گیا۔

عمر ایک دم کھڑا ہوا اس کے کھڑے ہوتے ہی باقی سب بھی حیرت کے مارے کھڑے ہو گئے۔ عمر کے چہرے پر حیرت ہی حیرت بکھری تھی۔

"کیا ہوا رومیعہ۔" شازیہ نے قریب آ کر تشویش سے اسے دیکھا تو اس نے تھوک نگل کر سر نفی میں ہلا دیا۔

"شمع بہن یہ رومیعہ ہے میری بھتیجی اور ہونے والی بہو۔"

عمر کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ شازیہ کے تعارف کروانے پر اس کے قریب دھماکا ہوا تھا۔

"آپ کس لڑکی کو دیکھ کر گئی تھیں۔"

اس کی نظریں رومیعہ پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کی نظروں میں اتنی تپش تھی کہ وہ ایک سیکنڈ رکے بغیر باہر نکل گئی اور اس کے پیچھے عمر بھی تیزی سے نکل گیا۔ شمع حواس باختہ ہو کر اس کے پیچھے بھاگیں مگر وہ گھر سے باہر نکل گیا اور جب تک وہ اس کے قریب پہنچیں' وہ گاڑی لے کر جا چکا تھا۔

وہ کتنی دیر تک پتھرائی نظروں سے آنکھوں سے اوجھل ہوتی کار کو دیکھتی رہیں۔ ایک بار پھر عمر انہیں لوگوں کی نظروں میں ذلیل کر گیا تھا۔ ان لوگوں سے کس طرح معذرت کی' یہ الگ کہانی تھی۔ اصل فکر انہیں عمر کی تھی' سب کچھ اس کی مرضی سے ہو رہا تھا' پھر وہ کیوں اس طرح سے چلا آیا۔ سارا راستہ ان دونوں میاں بیوی نے مضطرب انداز میں طے کیا۔ گیراج میں عمر کی گاڑی دیکھ کر دونوں تقریباً "بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

عمر کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی انہیں جھٹکا لگا تھا۔ سارا کمرا بکھرا پڑا تھا۔ دروازہ کھلنے پر عمر نے پلٹ کر دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا کرسٹل کا گلدان دیوار پر دے مارا۔

"چلے جائیں آپ لوگ۔ میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ آپ لوگ ہمیشہ سے میرے لیے غلط فیصلے کرتے رہے ہیں۔ اب بھی غلط کیا۔ میں ہی پاگل تھا' جو آپ لوگوں پر بھروسا کر لیا۔" اس نے کارپٹ پر بکھرے ٹکڑوں کو لات مار کر مزید بکھیر دیا۔

"خدا کے لیے عمر! صاف بات کرو' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" شمع روہانسی ہو گئیں۔

"جس لڑکی کا میں نے کہا تھا' اس کا نام رومیعہ ہے۔"

"لیکن وہ تو ان کی ہونے والی بہو ہے۔" شمع حیرت سے بولیں۔

"میں کچھ نہیں جانتا' وہ کس کی کیا ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں اگر مجھے وہ نہ ملی تو میں خود کو مار ڈالوں گا یا پھر اسے۔"

شمع کے آنسو ایک دم ٹھٹھر گئے۔ کئی سال پہلے کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ خون میں لت پت وجود۔ انہوں نے عمر کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ تنا

اجنبی لگ رہا تھا اور وہ جو ایک امید جاگی تھی کہ عمر ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا' ختم ہونے لگی تھی۔

"عمر! تمہیں اس لڑکی سے شادی کرنا ہے نا میں کرواؤں گی۔" شمع کے کہنے پر عمر کے ساتھ خطاب صاحب نے بھی چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"شمع!" خطاب صاحب نے انہیں ٹوکنا چاہا۔ مگر وہ عمر کی طرف بڑھیں اور اس کے مقابل جا کر کھڑی ہو گئیں۔

"تم نے اس لڑکی سے شادی کرنا ہے ہاں! میں کرواؤں گی۔" شمع نے اپنی بات دہرائی۔ "لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کرو ہم ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔" شمع نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ان کے گلے لگ گیا۔

"آئی لو یو مما! آئی لو یو ویری مچ۔"

"کتنے سالوں بعد وہ یوں بے اختیار ہو کر ان کے گلے لگا تھا۔ اس ایک پیار بھرے لمس کے لیے شمع کچھ بھی کرنے کو تیار تھیں جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے خطاب صاحب بری طرح الجھ گئے تھے۔

اگلے ہی دن وہ نیہو کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"دیکھیے! میں ابھی تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ رومیصہ کے ابو آئیں گے تو میں ان سے بات کر کے ہی آپ کو جواب دے سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں آپ کی ہاں کا انتظار رہے گا۔" شمع نے پر یقین انداز میں کہا۔

☼ ☼ ☼

ساری بات سن کر پرویز صاحب نے انہیں ایسے دیکھا جیسے ان کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

"تم حواسوں میں تو ہو' ایسا سوچا بھی کیسے تم نے؟" پرویز صاحب کے عصیلے انداز پر نیہو کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں حواسوں میں ہوں اسی لیے ایسی باتیں کر رہی ہوں۔ میں آپ کی طرح اپنی بیٹی کی دشمن نہیں ہوں۔ ایسے رشتے کو ٹھکرانا کفران نعمت ہوتا ہے۔ اکلوتا بیٹا ہے ان کا۔ صاحب جائیداد ہے۔ خوب صورت' پڑھا لکھا خاندانی لڑکا۔"

"تمہیں ہو کیا گیا ہے نیہو! رومیصہ کی منگنی ہو چکی ہے شرجیل کے ساتھ۔ کیا تمہیں یہ یاد کروانا ہو گا۔ وہ رشتہ نبھانے کے لیے آیا تھا۔ پتا ہے نا تمہیں' میری بہن کو کتنا صدمہ ہوا ہے' ان لوگوں کی اس حرکت پر یاد رکھو' میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا' جس سے میری بہن ناراض ہو۔ وہ اگر آ بھی گئی تھیں تو تمہیں ان سے معذرت کر لینا چاہیے تھی۔"

"وہ بہت اصرار کر رہی تھیں۔ پچاس تولے سونا گھر' حق مہر اور اس کے علاوہ جو ہم چاہیں۔ اتنا کچھ وہ رومیصہ کے نام کرنے کو تیار تھیں۔ پھر بھی میں معذرت کر لیتی؟"

"ہاں' پھر بھی۔" پرویز صاحب نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اپنی بہن سے کہیں جتنا مسز خطاب دے رہی ہیں' وہ بھی اتنا سونا' اتنا بینک بیلنس رومیصہ کے نام لکھ دیں۔ میں انہیں منع کر دوں گی۔" ان کے چیلنج کرنے والے انداز پر پرویز صاحب نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا جبکہ باہر دروازے کے باہر کھڑی رومیصہ کا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ برتن دھوتے ہوئے شرجیل کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ کافی دن سے اس کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔ ڈور بیل پر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ باہر کوریئر والا کھڑا تھا۔

"آپ کے لیے یہ پارسل اور بکے ہے۔ یہاں سائن کر دیں۔"

رومیصہ نے حیرت سے ان دونوں چیزوں کو دیکھا۔ گلاب کے پھولوں کا بہت خوب صورت بکے تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے قریب رکھے گلدان میں سجا دیا اور بڑے اشتیاق سے پارسل کھولا۔ اس میں بے حد خوب صورت سفید رنگ کا سوٹ تھا' اس کی مسکراہٹ کچھ ہلکی ہو گئی۔ اس نے پارسل کو الٹ پلٹ کر دیکھا' کسی کا نام نہیں تھا۔ فون کی گھنٹی پر وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "ہیلو۔"

"کیسی ہو رومی!"

وہ حیران ہوئی۔ اس نام سے اسے آج تک کسی نے نہیں پکارا تھا اور وہ بھی مردانہ آواز۔

"میں تمہیں سسپنس میں نہیں ڈالوں گا۔ عمر بات کر رہا ہوں۔" رومیصہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔

"فون بند مت کرنا پلیز میں تمہارے گھر کے باہر ہی کھڑا ہوں اور جانتا ہوں گھر میں کوئی نہیں ہے۔ اگر تم نے مجھ سے بات نہ کی تو مجبوراً مجھے اندر آنا ہو گا۔"

وہ اس کی باغیری پر شدید حیران ہوئی۔

"پھول ملے تمہیں؟" رومیصہ نے مڑ کر گلدان میں سجے پھولوں کو دیکھا۔ اور سوٹ دیکھا تم نے میں نے کبھی لیڈیز شاپنگ نہیں کی۔ کل یہ سوٹ مجھے اچھا لگا' خیال آیا تم اس سوٹ میں خوب صورت لگو گی' بالکل کسی پری کی طرح۔"

"اچھا سنو تم یہ سوٹ پہن کر مجھ سے مل سکتی ہو اس نے فرمائش کی وہ اپنی کہے جا رہا تھا۔ رومیصہ نے آنسو صاف کر کے خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

"آپ ... آپ پلیز یہ سب مت کریں۔ میں اپنے کزن سے انگیجڈ ہوں اور اپنے منگیتر کو پسند بھی کرتی ہوں۔ میں اس کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی آپ پلیز..." کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی اور جب دوبارہ آواز آئی تو اس میں نرمی غائب تھی

"اپنے بارے میں ایک بات بتا دوں۔ مجھے جب کوئی چیز پسند آ جاتی ہے تو جب تک میں اسے حاصل نہیں کر لیتا' چین سے نہیں بیٹھتا۔ اور تم تو میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہو۔ آج تو تم نے کہہ دیا کہ تم اپنے منگیتر کو پسند کرتی ہو لیکن آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ انڈر سٹینڈ!" ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

فون رکھ کر اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ اس کے آنسو بڑے روانی سے بہہ رہے تھے' کچھ دیر وہ پھولوں پر نظریں ٹکائے کھڑی رہی' اگلے ہی پل اس نے جارحانہ انداز میں پھولوں کو نوچ کر پتیوں میں بکھیر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ رومیصہ کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے جبکہ شرجیل کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"کب سے ہو رہا ہے یہ سب؟" شرجیل کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی۔

"دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ وہ مسلسل پھول بھیج رہا ہے۔" شرجیل! میں عجیب عذاب میں پھنس گئی ہوں' بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ آج بھی بہت مشکل سے باہر آئی ہوں۔"

"مجھے ممانی سے ایسی امید نہ تھی۔ سب کچھ جانتے ہوئے انہوں نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ روپے پیسے کے لالچ میں انہوں نے خاندانی رشتے داؤ پر لگا دیے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممانی کی سوچ اتنی سطحی ہو سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی تلخی اور کڑواہٹ تھی کہ رومیصہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"قصور تمہارا بھی ہے' تمہاری کوئی کمزوری ہو گی جو وہ عمر خطاب ... اس حد تک پہنچا ہے۔ پہلی دفعہ ہی تمہیں ایک تھپڑ لگانا چاہیے تھا۔"

"شرجیل! آپ بھی مجھ پر شک کر رہے ہیں؟ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں آپ کے علاوہ ... نہ میں نے کبھی دولت کو اہمیت دی ہے اور جہاں تک تھپڑ لگانے والی بات ہے میں ایسا نہیں کر سکتی۔ پتا نہیں کیوں' مجھے اس سے بہت خوف آتا ہے۔" وہ رو پڑی تھی۔

"اچھا تم یہ رونا بند کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو تمہیں گھر چھوڑ دوں۔"

وہ چہرہ صاف کر کے کھڑی ہو گئی۔ شرجیل کے پیچھے

بائیک پر بیٹھتے ہوئے اسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس نے چونک کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا لیکن اسے ایسا کچھ نظر نہیں آیا جو عجیب ہو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

شرجیل نے منگنی کی انگوٹھی واپس کردی تھی۔ رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ وہ کتنی دفعہ اسے فون کر چکی تھی مگر فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ پتا نہیں کس امید پر اس نے دوبارہ نمبر ملایا تو بیل جانے لگی۔ آخری بیل پر اس نے فون اٹھایا اس کی آواز سنتے ہی وہ بولی۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا؟" جواباً شرجیل نے گہرا سانس لیا۔

"وہ شخص پاگل ہے رومیصہ! اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں تمہارے آس پاس بھی نظر آیا تو وہ مجھے مار دے گا۔" رومیصہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اور آپ ڈر گئے؟ بس آپ کی نظر میں میری اتنی ہی اہمیت ہے؟"

شرجیل نے اس بات کا فوری کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ٹھہر کر بولا۔

"مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔" شرجیل نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

رومیصہ نے فون بند کردیا تھا۔ اب سننے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی بیڈ کے کونے پر جا رکیں، جہاں تازہ گلاب کے پھول تھے۔ بارش ہو یا طوفان، وہ پھول بھیجنا نہیں بھولتا تھا۔ اس کی نظریں پھولوں پر جم سی گئیں۔

"رومیصہ دیکھو بیٹا! تم سے ملنے کون آیا ہے۔" تیمو کی آواز پر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی کسی اپنے کے ہونے کی آس میں اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ لیکن دروازے میں کھڑی شمع کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی جوت ماند پڑ گئی۔ شمع نے غور سے اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا اور اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔

"تمہاری امی نے بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے۔ میں نے سوچا اپنی بیٹی کا حال احوال ہی پوچھ لوں۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"میں پہلے بھی کئی بار آچکی ہوں لیکن تمہاری امی اور پاپا نے اب ہاں کی ہے اور اب میں تمہاری اجازت لینے آئی ہوں۔ بیٹا! مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔ عمر ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہم نے بہت سال اس کے بغیر گزارے ہیں۔ اب اتنے سالوں بعد وہ ہمارے پاس آیا ہے۔"

اب کی بار رومیصہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بیٹا! اگر تم نے اس سے شادی نہ کی تو وہ پھر ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔" آخر میں ان کی آواز بھرا گئی تھی رومیصہ اسی طرح بغیر کسی جنبش کے انہیں دیکھتی رہی۔

"عمر تم سے بہت محبت کرتا ہے۔" انہوں نے اس کے گال کو چھو کر کہا۔

"لیکن میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔" اس کے کہنے پر شمع نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی ہاں میں آپ کے بیٹے سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ کیا سمجھتے ہیں آپ لوگ، آپ کے پاس دولت ہے تو آپ سب کچھ خرید سکتے ہیں۔۔۔ کسی کی بھی زندگی۔۔۔ کسی کی بھی محبت۔۔۔ آپ کو معلوم تھا ناں، میں اپنے کزن سے منسوب ہوں، پھر کیوں آئیں آپ ہمارے گھر۔۔۔ اور آپ کا وہ شدت پسند بیٹا۔۔۔ کیا کیا اس نے۔۔۔ میرے کزن کو اغوا کرلیا۔ گن پوائنٹ پر اسے مجبور کیا کہ مجھے چھوڑ دے۔۔۔" شمع کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا۔

"وہ اسے دھمکی دے کر مجبور کر سکتا ہے، مجھے نہیں۔ وہ اپنی دولت سے میری محبت نہیں خرید سکتا۔" اس کے الفاظ کی طرح اس کا لہجہ بھی سخت تھا۔ شمع نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"ایسا مت کہو بیٹا!" ان کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔ "میں مانتی ہوں اس نے غلط کیا، لیکن جو بھی کیا تمہاری

محبت میں کیا۔ مجھ پر ترس کھاؤ بیٹا! میری ممتا کی خاطر ہاں کردو۔ ہم سب تمہیں بہت محبت دیں گے۔ سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھیں گے۔ پلیز بیٹا!" انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے لیکن وہ اس وقت بالکل بد لحاظ ہو گئی تھی۔ نیو تیزی سے آگے بڑھیں اور ان کے ہاتھ کھول دیے۔

"آپ پلیز ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ رومیصہ ابھی پریشان ہے۔ میں اسے سمجھالوں گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

وہ کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے تم آنکھوں سے اسے دیکھا اور کمرے سے نکل گئیں۔

ان کے جانے کے بعد نیو نے اسے بہت سمجھایا۔ پیار سے، غصہ سے۔۔۔ لیکن اس کی نہ ہاں میں تبدیل نہ ہوئی۔ اس بات کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ پھولوں کا سلسلہ اس کے انکار کے بعد بھی جاری تھا۔

آج وہ کافی دنوں بعد کالج گئی تھی۔ کالج میں بھی اس کی طبیعت اکتائی ہوئی رہی۔ واپسی میں وہ مرے مرے قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف جارہی تھی کہ ایک گاڑی بالکل اس کے قریب آکر رکی۔ اس نے ذرا سا سر گھما کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور گھوم کر اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ غصے کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ آج پہلی بار اسے خوف کھے بجائے غصہ آیا۔

"تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں۔" غصہ میں بھرا عمر اس کے سامنے تھا۔ رومیصہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ راستہ چھوڑیں میرا۔" اس نے کہتے ہوئے ایک طرف سے نکلنا چاہا وہ پھر اس کے سامنے آگیا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔" رومیصہ نے ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالی اور زور کا ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

"یہ تھپڑ مجھے پہلے ہی لگانا چاہیے تھا تاکہ تمہاری اتنی جرات نہ ہوتی۔ تم نے میری خاموشی کا بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ دوبارہ کبھی میرے راستے میں مت آنا۔ مجھے نفرت ہے تم سے۔"

اس کے آخری جملے پر عمر کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔ یکدم اس نے سختی سے رومیصہ کا بازو تھاما اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، اس نے طوفانی انداز میں گاڑی چلادی۔ گاڑی کو انجان راستوں پر بھاگتے دیکھ کر وہ چیخی۔ "گاڑی روکو۔" اس نے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارا لیکن وہ ناکام رہی تھی۔

"گاڑی روکو ورنہ میں کود جاؤں گی۔" اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن گاڑی کے دروازے لاک تھے۔

کچھ دور جا کر گاڑی رک گئی۔ وہ کوئی پہاڑی علاقہ تھا۔ جس پر کوئی ریسٹ ہاؤس بنا ہوا تھا۔

اتر کر وہ اس کی طرف آیا۔ دروازہ کھول کر اس کا بازو پکڑا اور ایک جھٹکے سے باہر کھینچا اور پھر اور یونہی گھسیٹتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی طرف لے جانے لگا۔ اندر پہنچ کر اس نے اس کا بازو چھوڑا اور دروازہ لاک کر کے اس کی طرف مڑا۔

"تم شاید جانتی نہیں ہو، آج تک کبھی مجھ پر کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں اس کا ہاتھ توڑ دیتا لیکن تم۔"

وہ اشتعال سے بولا پھر دو قدم چل کر اس سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مسئلہ ہے اس میں۔" اس کو قریب آتے دیکھ کر وہ پھر گھبرا گئی تھی مگر ہمت کر کے بولی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، آپ کی اس حرکت سے میں ڈر جاؤں گی؟ خوف اور لالچ سے جس طرح آپ نے میرے کزن کو مجھ سے دور کردیا، کیا سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں سے مجھے بھی قابو کرلیں گے؟ ہرگز نہیں۔۔۔ میں کبھی آپ کی بات نہیں مانوں گی۔ بے شک آپ

مجھے جان سے ماردیں۔ میں ہرگز آپ سے شادی نہیں کروں گی اور اگر آپ نے کوئی اور حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں اپنی جان خود بھی لے سکتی ہوں۔ آپ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ سے محبت کی جائے۔" رومیصہ کی بات پر عمر نے دونوں بازوؤں سے اسے تھام لیا۔ رومیصہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"میں تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں تو تمہیں کیا لگتا ہے' میرا ارادہ غلط ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم میرے لیے بہت قابل احترام ہو۔ میں تم پر کوئی بُری نظر برداشت نہیں کر سکتا تو میں خود کس طرح تمہارے ساتھ برا کر سکتا ہوں۔" رومیصہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسے بازو سے پکڑے پیچھے دھکیلنے لگا یہاں تک کہ وہ پیچھے رکھے صوفے سے ٹکرا کر اس پر گر گئی پھر خود گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"تم مجھ سے شادی کر لو رومی!" وہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر التجا کر رہا تھا۔ "میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا رومی! دنیا کی ہر خوشی دوں گا۔ جو تم کہو' جیسے تم کہو' میں سب کروں گا تمہارے لیے۔"

وہ تھوڑی دیر تک یوں ہی بیٹھا رہا پھر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے زندگی میں جس چیز کی خواہش کی' حاصل کر لی لیکن تم چیز نہیں ہو' میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو۔ میں تمہیں حاصل کرنا نہیں' پانا چاہتا ہوں۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" رومیصہ اٹھ کر اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

"کتنی محبت کرتے ہیں آپ مجھ سے۔" عمر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ "خود سے بھی زیادہ۔"

"کیا کر سکتے ہیں میرے لیے۔"

"سب کچھ' جو تم کہو۔" رومیصہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ "یہ پہاڑی دیکھ رہے ہیں۔" اس سے کو جا میں رومیصہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ تھوڑی دیر تک یوں ہی اسے دیکھتا رہا جیسے اسے اپنی نظروں میں محفوظ کر رہا ہو' پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ کئی راتوں تک سو نہیں سکی تھی۔ جیسے ہی آنکھ بند کرتی اس کا چہرہ سامنے آجاتا۔ آنکھیں کھولتی تو ہر جگہ وہی کھڑا نظر آتا۔ سارا دن چپ بیٹھی رہتی۔ کبھی رونے لگتی' کبھی متوحش ہو کر چلانے لگتی۔ نیو اور پرویز صاحب رومیصہ کی اس حالت سے بہت پریشان تھے۔ انہیں لگتا ان کی بیٹی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ خوشیاں روٹھتی جا رہی تھیں۔ لیکن قدرت کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا۔

عمر مر گیا تھا اور اسے خون میں لت پت بے حس و حرکت دیکھ کر خطاب صاحب کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ نیو امریکہ شفٹ ہو گئیں۔ پرویز صاحب رومیصہ کو لے کر تعزیت کے لیے گئے تھے مگر سرداراں نے ان سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ سرداراں نے رومیصہ کو عمر کی قاتل کہا۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھی رومیصہ کو اس نے دل کھول کر بد دعائیں دی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کے گھر کی خوشیاں اجڑ گئی تھیں۔

چار سال گزر گئے تھے۔ وہ سنبھل ضرور گئی تھی مگر بھولی ہرگز نہیں تھی۔ شرجیل بھی دبئی سے لوٹ آیا تھا اور رومیصہ سے شادی کے خواہاں تھا مگر رومیصہ نے صاف انکار کر دیا تھا کہ اب اس کی زندگی میں شرجیل کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ پرویز صاحب اور نیو سمیت خود شرجیل نے بھی اسے راضی کرنے کی بہت کوشش کی مگر ہر بار اس نے سختی سے منع کر دیا۔ آئندہ اس موضوع کو چھیڑنے سے بھی سختی سے منع کر دیا تھا۔ اس کے دل میں شرجیل جیسے لالچی اور بزدل انسان کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"اسلام علیکم۔" شنزا نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"تم آفس نہیں آئیں۔ میں نے فون کیا تو آنٹی نے بتایا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے سو میں آفس سے سیدھی تمہاری طرف آگئی اور یہ تمہارے لیے لائی ہوں۔" اس نے سرخ گلابوں کا بکے اس کے سامنے کیا تو وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر گہرا سانس لے کر اسے اپنے سینے پر رکھ لیا۔ تب ہی نیو ٹرالی لے کر اندر داخل ہوئیں۔

"بیٹا! تم دوست ہو اس کی' سمجھاؤ اسے اب شادی کر لے۔ ہماری تو یہ سنتی نہیں' ماں باپ ساری عمر تو ساتھ نہیں رہتے۔ اتنا اچھا رشتہ گھر میں موجود ہے۔ اس کی پھوپھو کا بیٹا۔"

"امی پلیز۔" رومیصہ نے ان کی بات کاٹی۔ نیو گہرا سانس لے کر باہر نکل گئیں۔ شنزا اسے دیکھنے لگی۔

"تم کیوں کر رہی ہو ایسا۔ کیا تم کسی کو پسند کرتی ہو۔"

رومیصہ نے گہرا سانس لیا جیسے کوئی بوجھ سینے سے ہٹانا چاہتی ہو۔

شنزا اور رومیصہ تین سال سے ایک ساتھ جاب کر رہی تھیں۔ دونوں میں بہت بے تکلفی تھی' شنزا بہت مخلص دوست تھی سو' رومیصہ نے آج اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"شنزا! تم نے کبھی کسی سے نفرت کی ہے؟"

"نہیں۔" شنزا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے کی ہے اور بے انتہا کی ہے۔ اور جانتی ہو نفرت کی انتہا کیا ہوتی ہے۔" شنزا ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"نفرت کی انتہا محبت ہوتی ہے۔ میں نے جس شخص سے نفرت کی' مجھے اسی سے محبت ہو گئی۔ بے حد محبت۔ لیکن اس وقت' جب وہ نہیں رہا۔"

"کیا مطلب؟" بہت غور سے سنتی شنزا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اس دنیا میں نہیں رہا اب۔" اور شنزا اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"ایک شخص جو مر چکا ہے' تم اس کے لیے اپنی زندگی برباد کر رہی ہو؟" شزا اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو۔

"میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہی شزا! وہ شخص بہت عجیب تھا۔ ایک جنون دیکھا ہے میں نے اس کی آنکھوں میں اور مجھے لگتا ہے جیسے مرتے مرتے وہ اپنا جنون میرے اندر منتقل کر گیا ہے۔ میں نے اس کی محبت کی ناقدری کی ہے مگر اب میں ساری زندگی اس کی محبت کے نام پر گزارنا چاہتی ہوں۔ یہ سزا میں نے خود اپنے لیے چنی ہے کیونکہ وہ میری وجہ سے مرا ہے شزا!" وہ کتنی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔

"محبت کو کبھی آزمانا نہیں چاہیے لیکن مجھ سے یہ غلطی ہو گئی۔ میں نے اسے کہا 'اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس پہاڑی سے کود جاؤ اور وہ کود گیا شزا! میرے کہنے پر اس نے جان دے دی کوئی کرتا ہے اتنی محبت۔"

رومیصہ نے شزا کی طرف دیکھ کر سوال کیا جبکہ وہ رومیصہ کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔

"اس آدمی کا نام کیا تھا۔" یہ سوال کرتے ہوئے شزا کا رواں رواں جواب کا منتظر تھا۔

"عمر خطاب۔" اور شزا کا پورا وجود زلزلے کی زد میں آ گیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا' وہ مر گیا ہے۔" شزا کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

"اس کی بوا جی نے' میں گئی تھی اس کے گھر۔ اس کے والد کی بھی ڈیتھ ہو گئی۔"

شزا نے ہونٹ بھینچ لیے۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو بوا! کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم بتاؤ تم نے بوا سے کیا کہا ہے۔ وہ پریشان ہیں۔"

"وہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے آپ یہ بتائیں۔ آپ کی رومی کا اصل نام کیا ہے۔"

عمر کی دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ ایک عرصے بعد کسی کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا۔

"رومیصہ۔" اس کے نام لینے پر شمع نے چونک کر دیکھا۔

"بوا! آپ پاکستان آجائیں۔ میں آپ کو ایک لڑکی سے ملوانا چاہتی ہوں۔ تین دن بعد میری سالگرہ ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرے پاس ہے۔"

اس کی کچھ سنے بغیر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ عمر بری طرح الجھ گیا تھا۔ اسی الجھن بھرے انداز میں اس نے سرداراں کی طرف دیکھا جنہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ اور شمع حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

"بیٹا! میں تمہاری مجرم ہوں۔ مجھے سزا دو۔" اس نے سرداراں کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور پھر اس نے جو حقیقت بتائی' دونوں ماں بیٹے ساکت رہ گئے۔

"سرداراں! کیوں کیا تم نے ایسا؟" شمع غصے سے پھٹ پڑیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بھابی! بابا کومے میں تھے۔ آپ کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ خطاب بھائی اس دنیا میں نہیں تھے۔ ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا کہ پتا نہیں کب انہیں ہوش آئے۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ وہ لڑکی دوبارہ سامنے آئی اور پھر شادی کے لیے نہ مانی تو پتا نہیں بابا پھر کیا کر دیں۔ اس لیے میں نے بابا سے کہہ دیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہی کہ نہ وہ ہوگی' نہ بابا کوئی الٹی سیدھی حرکت کریں گے۔ اور اس سے بھی کہہ دیا کہ وہ بابا مر گئے۔ میں نے آپ دونوں کی بہتری کے لیے ایسا کیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ لڑکی بھی بابا سے۔۔۔ عمر! میرے بچے مجھے معاف کر دو۔" سرداراں نے ایک بار پھر عمر کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

☼ ☼ ☼

"شزا! پلیز یار! میرا بالکل موڈ نہیں۔"

"تمہارے موڈ کی ایسی کی تیسی۔ میں اپنی برتھ ڈے پر خاص طور پر تمہیں لینے آئی ہوں اور تم ہو کہ نخرے کیے جا رہی ہو۔ چلو شاباش تیار ہو جاؤ۔ میں انکل آنٹی کو بھی ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

شزا کی سالگرہ تھی۔ اس کا موڈ نہیں تھا مگر وہ خود اسے لینے آئی تھی۔ ناچار اسے راضی ہونا پڑا۔ تیار ہونے کے لیے اٹھی تو شزا بولی۔

"سفید رنگ پہننا۔" اور الماری کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ ایک لمحہ کو رک گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر شزا کی طرف دیکھا لیکن وہ کمرے سے جا چکی تھی۔ وہ کتنی دیر یونہی کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آنسو صاف کر کے اس نے سفید سوٹ نکالا' جو پانچ سال پہلے کسی نے بڑے پیار سے اسے بھیجا تھا۔

شزا کے گھر میں کافی رونق تھی۔ اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"امی! میں شزا کے پاس جا رہی ہوں۔" وہ لان سے اٹھ کر اندر لاؤنج کی طرف بڑھی تھی کہ ایک آواز پر اسے رکنا پڑا۔

"رومی!" اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ یہ آواز' یہ نام۔۔۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بالکل اس کے سامنے تھا۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ اس کے ارد گرد ساری چیزیں گھومنے لگیں۔ گرنے سے پہلے اس نے اسے تیزی سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔

ہوش میں آتے ہی اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ سب ہی تھے اس کے آس پاس مگر وہی نہیں تھا بس۔ اس کے اچانک بے ہوش ہو جانے پر سب پریشان ہو گئے تھے مگر اب سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ شزا کے کمرے میں تھی۔ اپنے لیے سب کو پریشان دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔ آپ چلیں میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

وہ مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئیں۔ "شزا! میں ابھی آتی ہوں" کہہ کر نکل گئی۔ وہ اکیلی تھی کمرے میں۔ دل پتا نہیں کیوں گھبرا رہا تھا۔ آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔

کھلے دروازے کی دہلیز میں وہ رک گیا۔ وہ اس کے بالکل سامنے بیڈ پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی تیزی سے کھڑی ہو گئی۔ آنسوؤں سے سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سُن سی کھڑی تھی۔ عمر نے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے اٹھا کر چہرہ اونچا کیا اور بہت نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"تم میرے سامنے ہو' پھر بھی مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"آپ مجھے چھوڑ کر کیوں گئے تھے۔" عمر ابھی تک سانس روکے کھڑا تھا۔ رومیصہ کی بات پر اس نے رومیصہ کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ "میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔ میں کوما میں چلا گیا تھا اور جب ہوش آیا تو بوا نے کہا کہ تم۔۔۔ رومیصہ! میں بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ اس وقت مجھے لگا' مجھے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی سزا ملی ہے۔ مگر شاید قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا اور تم مجھے دوبارہ مل گئیں۔" رومیصہ نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر دیکھا۔

"اب تو آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے ناں؟" عمر اس کی آنکھوں میں چھپے ڈر کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"بالکل نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔"

"عمر! ہم بہت عرصہ ایک دوسرے سے دور رہے ہیں۔ پلیز اب یہ دوریاں ختم کر دیں۔"

رومیصہ کے دبے دبے لفظوں میں محبت کے اظہار پر عمر کا رواں رواں سرشار ہو گیا تھا۔ اس نے رومیصہ کے گرد بازوؤں کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

ایسی محبت کا ہی تو وہ طالب تھا۔ "اب کوئی دوری نہیں رہے گی۔" اس نے قدرے جھک کر کہا تو۔ رومیصہ نے طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

☼